وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر ۲۰ شمارہ نمبر ۳ ربیع الاوّل ۱۴۴۴ھ اکتوبر ۲۰۲۲ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبد الرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485
Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ● مطبع: اقراء التحریر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی دولت گیٹ ملتان
شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

سیلاب متاثرین کے لیے دینی مدارس کی خدمات	حضرۃ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم	۳
حضور ﷺ کی محبت واطاعت لازم وملزوم ہیں	حضرۃ مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم	۴
مجالس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	حضرۃ علامہ سیّد سلیمان ندویؒ	۷
دعوتِ دین کا حکیمانہ اسلوب	جناب پروفیسر محمد اکرم ورک	۱۱
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی	مولانا قمرالدین	۱۷
مطالعہء سیرت-اہمیت اور ضرورت	مولانا اعجاز احمد قاسمی	۲۱
فتنوں اور مصیبتوں میں اہل ایمان کی تسلی	محمد اَحمد حافظ	۲۷
امام اعظم ابوحنیفہؒ کا شرف تابعیت	مولانا محمد ساجد	۳۵
دینی مدارس اور موجودہ حالات	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۴۳
ٹرانس جینڈر ایکٹ......غضب الٰہی کو دعوت	محمد اَحمد حافظ	۴۹
جدید ٹیکنالوجی/نقصانات اور علاج	مولانا مفتی قیام الدین قاسمی سیتامڑھی	۵۴
تبصرہ کتب	محمد اَحمد حافظ	۶۲

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر-سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر-ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زرسالانہ مع ڈاک خرچ: 500 روپے

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

سیلاب متاثرین کے لیے دینی مدارس کی قابل قدر خدمات

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ

بسم الرحمٰن الرحیم ......الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین وعلیٰ کل من تبعھم باحسانٍ الیٰ یوم الدین.

اس وقت پاکستان میں سیلاب کی وجہ سے جوصورت حال ہےاوراس نے ملک کےتقریباہر حصے میں جوتباہی مچائی ہے وہ ہرفکرمند مسلمان کے لیے باعث تشویش بھی ہے، باعث فکر بھی ہے۔ ایسے مواقع پر سب سے اہم کام تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے، کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی جائے اوراس مصیبت کے دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کی جائے۔ساتھ ہی الحمدللہ یہ معلوم ہوتا رہتا ہے کہ مختلف علاقوں میں جہاں جہاں لوگ سیلاب سے بہت زیادہ متاثر اور پریشان ہوئے ہیں؛ان کی امداد کے لیے الحمدللہ ملک کے ہرحصے میں مختلف جماعتیں، انجمنیں، اور تنظیمات اورسب سے بڑھ کر ہمارے دینی مدارس، ان کے اساتذہ اورطلبہ......ان کی ضروریات کو پورا کرنے اوران کوامداد پہنچانے کے لیے ماشاء اللہ کمر بستہ ہیں۔ مجھے سوات کے بارے میں معلوم ہوا کہ الحمدللہ وہاں کے دینی مدارس اس کام میں پیش پیش ہیں۔وہ گھروں سے پانی نکالنے اورگھروں کوقابل استعمال بنانے، ان کوراشن مہیا کرنے اوران کی ضروریات پوری کرنے کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں۔

معلوم ہوا ہے کہ اس علاقے کے تمام دینی مدارس اس کام میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں، حالانکہ دینی مدارس خود بہت کم وسائل رکھتے ہیں، ان کو خود امداد کی حاجت ہوتی ہے لیکن اس وقت انہوں نے اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر متاثرین سیلاب کے لیے جوشب وروزکوشش شروع کی ہے وہ انتہائی مبارک ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں دن دونی رات چوگنی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کریں اورثواب حاصل کریں۔

ملک کے دوسرے حصوں سے بھی یہی اطلاعات مل رہی ہیں کہ ماشاءاللہ جہاں جہاں دینی مدارس آباد ہیں؛ اگرچہ وہ خود بھی متاثر ہوئے ہیں اس کے باوجود انہوں نے اپنے دیہات؛ اپنے محلے اوراپنی بستیوں کے لیے دن رات وقف کررکھے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ان کی اِن کوششوں کو، مخلصانہ جدوجہد کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے، میں ان سب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ہم نے بھی مختلف علاقوں میں بحالی کی کوشش شرع کی ہوئی ہے، مکانات وغیرہ تعمیر کرنے کی، اس کے لیے بھی دعا کی ضرورت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اخلاص کے ساتھ اوراپنی رضا کے مطابق لوگوں کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے......وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین!۔(آڈیو پیغام سے ماخوذ)

حضور ﷺ محبت واطاعت لازم وملزوم ہیں

حضرۃ مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

الحمد للّٰہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ......امابعد!

انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کی اطاعت بھی کرتا ہے کتاب وسنت کی تعلیم بھی یہی ہے اور عقل سلیم کا تقاضا بھی یہی ہے۔

ایک مسلمان حق تعالی شانہٗ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہو لیکن نمازیں چھوٹ رہی ہوں، زکوۃ ادا نہ کرتا ہو، استطاعت کے باوجود حج نہ کرتا ہو، روزے چھوڑ دیتا ہو، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا مدعی ہو مگر داڑھی مونڈی جا رہی ہو، بڑی بڑی مونچھیں رکھی ہوئی ہوں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باغیوں جیسی شکل وشباہت بنا رکھی ہو اور اس پر فخر وفرحت کا اظہار کرتا ہو تو ایسا دعویٰ محبت وعشق جھوٹا اور مردُود ہے، اس لیے کہ اگر عشق سچا ہوتا تو محبوبِ حقیقی کی نافرمانی کا ارتکاب تو کجا خیال بھی دل میں نہ لاتا۔

یہ مسئلہ شریعتِ مطہرہ ہی کا نہیں شریعتِ عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے اس لیے شاعر نے اسے شریعت نہیں عقل وقیاس کے خلاف قرار دیا ہے۔

تعصی الرسول وانت تظهر حبه
هذا لعمری فی القیاس بدیع
لو کان حبک صادقا لاطعته'
فان المحب لمن یحب مطیع

کہ......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہو اور عشق رسول کا دعویٰ کرتے ہو؟ یہ عقل ومنطق کے لحاظ سے عجیب وغریب ہے اگر تمہارا عشق سچا ہو تو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے کیونکہ عاشق تو اپنے محبوب کا فرمان بردار ہوتا ہے۔

یہ کیسا عشق ہے کہ مسجدیں خالی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جلوس بازار میں نکالے جا رہے ہیں۔ وہ بازار جن سے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بے زار ہیں اور آپ نے انہیں 'شــر بـقـاع الارض "یعنی زمین کی

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بدترین جگہ قرار دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سال میں ایک مہینے کے لیے نہیں ہے ایک دن کے لیے نہیں ہے صرف بارہ ربیع الاول کے لیے نہیں ہے۔عاشق وہ ہے جس کی ہر سانس بارہ ربیع الاول ہے...... جو اللہ کے نبی کی سنت پر زندہ رہتا ہے...... ہر قدم پر سوچتا ہے اور اہل علم سے پوچھتا ہے کہ یہ خوشی کیسے مناؤں؟ شادی کیسے ہو؟ غمی کیسے ہو؟ سنتوں کا شیدائی ہے......جس کا ہر سانس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر فدا ہو......اگر یہ جلوس اور چراغاں کرنا محبت کے تقاضے ہوتے تو صحابہ کرامؓ ضرور کرتے کیونکہ وہ جان فدا کرنے والے تھے، شمع رسالت کے پروانے تھے وہ اس پر ضرور عمل کرتے۔

صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر کس طرح فدا تھے مشکوٰۃ شریف میں حدیث موجود ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ارشاد فرمایا''اِجلِسُوا'' یعنی بیٹھ جاؤ۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جن کے بارے میں محدثِ عظیم ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھا ہے''افضل الصحابہ بعد خلفاء الراشدین عبداللّٰہ بن مسعودؓ'' یعنی خلفاء راشدین کے بعد سب سے افضل صحابی تھے انہوں نے جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا تو وہیں مسجد کے دروازے میں جوتوں پر بیٹھ گئے۔سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ لیا اور فرمایا''عبداللہ بن مسعودؓ اندر آجاؤ''

مُحدِّثین اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی انتہائی قدر اور نگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں انتہائی شانِ محبوبیت کی علامت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گوارا نہیں ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جوتوں میں بیٹھ جائیں لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اتباع دیکھئے کہ انہوں نے ارشاد رسول سن کر اگر، مگر نہیں لگایا۔

جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر اگر، مگر لگاتا ہے وہ سچا عاشق نہیں۔مثلاً یوں کہے''اگر میں نے داڑھی رکھ لی تو بیوی کیا کہے گی؟'' داڑھی رکھنے کو تو جی چاہتا ہے مگر لوگ کیا کہیں گے؟ تو سمجھ لیں کہ یہ چُوری کھانے والے مجنوں ہیں، سچے مجنوں نہیں، یعنی سچے عاشقِ سنت نہیں۔ایک اللہ والے بزرگ فرماتے ہیں۔

مرضی تری ہر وقت جسے پیش نظر ہے
بس اس کی زبان پر نہ اگر ہے نہ مگر ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان کے پرخچے اڑانے والا کیسے عاشق ہوسکتا ہے؟......مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانداروں کی تصویریں گھروں میں رکھنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جہاں ایسی تصویریں ہوتی ہیں وہاں

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔آج امت کے گھر گھر میں تصویریں لگی ہوئی ہیں لیکن دعویٰ عشق رسول میں سب سے آگے ہیں۔کیا محبت کا یہی حق ہے؟اب سچے عاشقوں کی شان دیکھئے،ایک شخص نے حضرت عمرؓ کی ناشتہ کی دعوت کی آپؓ جب ناشتہ کے لیے اس کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ گھر میں تصویر تھی فرمایا کہ عمرؓ ایسے گھر میں ناشتہ نہیں کرے گا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی ہورہی ہو۔یہ محبت ہے اس کا نام عشق ہے۔

محبت وعشق کا ایک اور ایمان افروز واقعہ حضرت حذیفہ بن یمان ؓ کا احادیث میں آتا ہے کہ جب کسریٰ کے دربار میں کھانے کے دوران ان کے ہاتھ سے نوالہ گر گیا اور وہ اسے اٹھا کر کھانے کے لیے صاف کرنے لگے تو ایک صاحب نے اشارہ کیا کہ ایسا نہ کریں ورنہ دشمن کہیں گے کہ مسلمان قلاش اور فقیر ہیں اس میں اسلام کی توہین ہے تو حضرت حذیفہ بن یمان ؓ نے کیسا پیارا جواب دیا فرمایا''أاترک سنةَ رسول اللّٰہ ﷺ لھٰؤلاء الحمقاء''

کیا میں ان بے وقوفوں کی وجہ سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دوں؟

جس طرح آج کل لوگ برتن چاٹنے کی سنت پر عمل کرنے سے شرماتے ہیں حالانکہ علامہ شامیؒ نے حدیث نقل کی ہے کہ جب برتن کو صاف کیا جاتا ہے تو برتن دعا دیتا ہے کہ'' اعتقک اللّٰہ من النار کما اعتقنی من الشیطان '' خدا تجھ کو جہنم سے بچائے جیسے تو نے مجھے شیطان سے بچایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اس لیے ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تو جب دل تڑپتا ہے تو آ کر آپ کی زیارت کر لیتے ہیں لیکن جنت میں آپ کا درجہ بہت اونچا ہوگا تو وہاں ہم آپ کو کیسے دیکھیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''المرء مع من احب''،جس کو جس سے محبت ہوگی وہ اسی کے ساتھ رہے گا۔

دیکھیئے محبت کتنی بڑی نعمت ہے لیکن اس کا یہ نتیجہ اسی صورت میں مرتب ہوگا جب محبت کے ساتھ اطاعت بھی ہو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' من احب سنتی فقد احبنی '' میرا عاشق وہ ہے جو میری سنت کو محبوب رکھتا ہے

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرمائیں۔آمین ثم آمین!۔

☆......☆......☆

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

گوشۂ سیرت

مجالس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ سیّد سلیمان ندویؒ

شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار نقیب و چاؤش اور خیل و حشم کا دربار نہ تھا۔ دروازہ پر دربان بھی نہیں ہوتے تھے۔ تاہم نبوت کے جلال سے ہر شخص پیکرِ تصویر نظر آتا تھا۔ احادیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں لوگ بیٹھتے تو یہ معلوم ہوتا کہ ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں، یعنی کوئی شخص ذرا بھی جنبش نہیں کرتا تھا۔ گفت گو کی اجازت میں ترتیب کا لحاظ رہتا تھا، لیکن یہ امتیاز مراتب، نسب و نام یا دولت و مال کی بنا پر نہیں، بلکہ فضل واستحقاق کی بنا پر ہوتا تھا۔ سب سے پہلے اہل حاجت کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کے معروضات سن کر ان کی حاجات بر آری فرماتے۔

تمام حاضرین ادب سے سر جھکائے رہتے، خود بھی آپ علیہ السلام مؤدب ہو کر بیٹھتے۔ جب کچھ فرماتے تو تمام مجلس پر سناٹا چھا جاتا۔ کوئی شخص بولتا تو جب تک چپ نہ ہو جائے، دوسرا شخص بول نہیں سکتا تھا۔ اہل حاجت عرض مدعا میں ادب کی حد سے بڑھ جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمال حلم کے ساتھ برداشت فرماتے۔ آپ علیہ السلام کسی کی بات کاٹ کر گفت نہ فرماتے۔ جو بات ناپسند ہوتی اس سے تغافل فرماتے اور ٹال جاتے۔ کوئی شخص شکریہ ادا کرتا تو اگر آپ علیہ السلام نے واقعی اس کا کوئی کام انجام دیا ہے تو شکریہ قبول فرماتے۔ مجلس میں جس قسم کا ذکر چھڑ جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شامل ہو جاتے۔

ہنسی اور مہذب ظرافت میں بھی شریک ہوتے۔ کبھی کسی قبیلہ کا کوئی معزز شخص آ جاتا تو حسب مرتبہ اس کی تعظیم فرماتے۔ تو پرسی کے ساتھ ہر شخص سے دریافت فرماتے کہ کوئی ضرورت اور حاجت تو نہیں ہے۔ یہ بھی فرماتے کہ جو لوگ اپنے مطالب مجھ تک نہیں پہنچا سکتے مجھ کو ان کے حالات اور ضروریات کی خبر دو۔ ایران میں معمول تھا کہ جب مجلس میں کوئی معزز شخص آ جاتا تو سب تعظیم کو کھڑے ہو جاتے۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ رؤسا اور امرا جب دربار جماتے تو لوگ سینوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے رہتے۔

آپ نے ان باتوں سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ جس کو یہ پسند آتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے تعظیم سے کھڑے رہیں، اس کو اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈنی چاہیے۔ البتہ جوش محبت میں کسی کسی کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ چناں چہ سیدہ فاطمہ الزہرا جب کبھی آ جاتیں تو اکثر کھڑے ہو جاتے اور فرطِ محبت سے ان کی پیشانی چُومتے۔ (حلیمہ سعدیہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

کے لیے بھی آپ نے اٹھ کر چادر بچھادی تھی۔اسی طرح ایک دفعہ آپ کے رضاعی بھائی آئے تو ان کے لیے بھی محبت سے کھڑے ہوگئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا۔)

آدابِ مجلس:

ان مجالس میں آنے والوں کے لیے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔عموماً بدوا پنے اسی وحشت نما طریقہ سے آتے اور بے باکانہ سوال وجواب کرتے۔خلق نبوی کا منظر ان مجالس میں زیادہ حیرت انگیز بن جاتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر خاتم کی حیثیت سے رونق افروز ہیں۔صحابہ عقیدت کیش غلاموں کی طرح خدمتِ اقدس میں حاضر ہیں۔ایک شخص آتا ہے اور اس کو نبی اکرم علیہ السلام اور حاشیہ نشینوں میں کوئی ظاہری امتیاز نظر نہیں آتا۔لوگوں سے پوچھتا ہے محمد کون ہے؟ صحابہ بتاتے ہیں کہ یہی گورے سے آدمی، جو ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔وہ کہتا ہے: اے ابن عبدالمطلب! میں تم سے نہایت سختی سے سوال کروں گا، خفا نہ ہونا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخوشی سوال کی اجازت دیتے ہیں۔بایں ہمہ سادگی وتواضع، یہ مجلس رعب وقار اور آدابِ نبوت کے اثر سے لبریز ہوتی تھی۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وتلقینات کا دائرہ اخلاق، مذہب اور تزکیۂ نفوس تک محدود تھا۔اس کے علاوہ اور باتیں منصب نبوت سے خارج تھیں، لیکن بعض لوگ نہایت معمولی اور خفیف باتیں پوچھتے تھے۔مثلاً: یارسول اللہ! میرے باپ کا کیا نام ہے؟ میرا اونٹ کھو گیا ہے، وہ کہاں ہے؟ آپ علیہ السلام اس قسم کے سوالات کو ناپسند فرماتے تھے۔

ایک بار اسی قسم کے لغو سوالات کیے گئے تو آپ علیہ السلام نے برہم ہو کر فرمایا کہ جو پوچھنا ہے پوچھو، میں سب کا جواب دوں گا۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام کے چہرے کا رنگ دیکھا تو نہایت الحاح کے ساتھ کہا: رضیت (میں خوش ہوں) کوئی شخص کھڑے کھڑے سوال نہیں کرتا تھا۔ایک شخص نے اس طرح سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف تعجب سے دیکھا۔اسی طرح یہ بھی معمول تھا کہ جب ایک مسئلہ طے ہو جاتا تو دوسرا مسئلہ پیش کیا جاتا۔بعض اوقات آپ علیہ السلام گفت گو کر رہے ہوتے، کوئی صحرا نشین بدو، جو آدابِ مجلس سے ناواقف ہوتا، دفعتاً آجاتا اور عین سلسلہ تقریر میں کوئی بات پوچھ بیٹھتا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلسلہ تقریر قائم رکھتے اور فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوتے اور جواب دیتے۔

اوقاتِ مجلس:

اس قسم کی مجالس کے لیے جو خاص وقت مقرر تھا وہ صبح کا تھا۔نماز فجر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ جاتے اور فیوضِ روحانی کا سرچشمہ جاری ہو جاتا۔بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے بعد آپ علیہ السلام کچھ دیر ٹھہر جاتے اور مجلس قائم ہو جاتی۔چناں چہ کعب بن مالک پر جب غزوہ تبوک کی غیر حاضری کی وجہ سے عتاب نازل ہوا تو

وہ ان ہی مجالس میں آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش نودی، مزاج کا پتا لگاتے۔ چوں کہ افادہ عام ہوتا تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ کوئی شخص فیض سے مرحوم نہ رہنے پائے۔ اس بنا پر جو لوگ ان مجالس میں آ کر واپس چلے جاتے تو ان پر آپ علیہ السلام نہایت ناراض ہوتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ تین شخص آئے۔ ایک صاحب نے حلقہ میں تھوڑی سی جگہ خالی پائی، وہیں بیٹھ گئے۔ دوسرے صاحب کو درمیان میں موقع نہ ملا، اس لیے سب کے پیچھے بیٹھے، لیکن تیسرے صاحب واپس چلے گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ان میں سے ایک نے خدا کی طرف پناہ لی، خدا نے بھی اس کو پناہ دی۔ ایک نے حیا کی، خدا بھی اس سے شرمایا۔ ایک نے خدا سے منھ پھیرا، خدا نے بھی اس سے منھ پھیر لیا۔ پند و نصائح کتنے ہی مؤثر طریقے سے بیان کیے جائیں، لیکن ہمیشہ سنتے سنتے آدمی اُکتا جاتا ہے اور نصائح بے اثر ہو جاتے ہیں۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وعظ و نصائح کی مجالس ناغہ دے کر منعقد فرماتے تھے۔

عورتوں کے لیے مخصوص مجالس:

ان مجالس کا فیض زیادہ تر مردوں تک محدود تھا اور عورتوں کو موقع کم ملتا تھا۔ اس بنا پر عورتوں نے درخواست کی کہ ہمارے لیے خاص دن مقرر فرمایا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست منظور کی اور ان کے وعظ و ارشاد کے لیے ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔ اگر چہ مسائل شرعیہ کے متعلق ہر قسم کے سوالات کی اجازت تھی اور خاتونانِ حرم وہ مسائل دریافت کرتی تھیں جو خاص پردہ نشینوں سے تعلق رکھتے تھے۔ تاہم جب کوئی پردہ کا واقعہ مجلس عام میں سوال کی غرض سے پیش کیا جاتا تو فرط حیا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار ہوتا۔

طریقہ ارشاد:

کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود امتحان کے طور پر حاضرین سے کوئی سوال کرتے۔ اس سے لوگوں کی جودتِ فکر اور اصابتِ رائے کا اندازہ ہوتا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ علیہ السلام نے پوچھا: وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے جھڑتے ہیں اور جو مسلمانوں سے مشابہت رکھتا ہے؟ لوگوں کا خیال جنگلی درختوں کی طرف گیا، میرے ذہن میں آیا کہ کھجور کا درخت ہوگا، لیکن میں کم سن تھا، اس لیے جرأت نہ کر سکا۔ بالآخر لوگوں نے عرض کی کہ آپ بتائیں۔ ارشاد فرمایا: کھجور۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو تمام عمر حسرت رہی کہ کاش! میں نے جرأت کر کے اپنا خیال ظاہر کر دیا ہوتا۔

ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ صحابہ کے دو حلقے قائم تھے۔ ایک قرآن خوانی اور ذکر و دعا میں مشغول تھا اور دوسرے حلقے میں علمی باتیں ہو رہی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں عمل خیر کر رہے ہیں، لیکن خدا نے مجھ کو معلم بنا کر مبعوث کیا ہے۔ یہ کہہ کر علمی حلقے میں بیٹھ گئے۔

مجالس میں شگفتہ مزاجی:

باوجود اس کے کہ ان مجالس میں صرف ہدایت، ارشاد، اخلاق اور تزکیہ نفوس کی باتیں ہوتی تھیں اور صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس طرح بیٹھتے تھے کہ کأن الطیر فوق رؤوسہم (جیسے چڑیاں ان کے سروں پر بیٹھی ہوں) تاہم یہ مجلسیں شگفتہ مزاجی کے اثر سے خالی نہ تھیں۔ ایک دن آپ علیہ السلام نے ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ جنت میں خدا سے ایک شخص نے کھیتی کرنے کی خواہش کی۔ خدا نے کہا: کیا تمہاری خواہش پوری نہیں ہوئی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! لیکن میں چاہتا ہوں کہ فوراً بوؤں اور ساتھ ہی تیار ہو جائے۔ چناں چہ، اس نے بیج ڈالے، فوراً دانہ اُگا، بڑھا اور کاٹنے کے قابل ہو گیا۔ ایک بدو بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا: یہ سعادت صرف قریشی یا انصاری کو نصیب ہوگی جو زراعت پیشہ ہیں، لیکن ہم لوگ تو کاشت کار نہیں۔ آپ علیہ السلام ہنس پڑے۔

فیضِ صحبت:

ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کہ ہم جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے، لیکن جب گھر میں بال بچوں میں بیٹھتے ہیں تو حالت بدل جاتی ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایک سا حال رہتا تو فرشتے تمہاری زیارت کو آتے۔ ایک دفعہ سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں آئے اور کہا: یارسول اللہ! میں منافق ہو گیا ہوں۔ میں جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتا ہوں اور آپ علیہ السلام دوزخ، جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو یہ چیزیں آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہیں، لیکن بال بچوں میں آ کر سب بھول جاتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ اگر باہر نکل کر بھی وہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔

☆......☆......☆

گوشۂ سیرت

دعوتِ دین کا حکیمانہ اسلوب

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

(پہلا حصہ)

جناب پروفیسر محمد اکرم ورک

دعوت کے دو بنیادی کردار ہیں، ایک داعی اور دوسرا مدعو۔ تاہم دعوت کی کامیابی کا مکمل انحصار داعی کی ذات پر ہے کیونکہ دعوت کے مضامین خواہ کتنے ہی پرکشش کیوں نہ ہوں، اگر داعی کا طریقِ دعوت ڈھنگ کا نہیں ہے اور وہ مخالف کو حالات کے مطابق مختلف اسالیب اختیار کر کے بات سمجھانے کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جو بات ایک پہلو سے سمجھ میں نہیں آتی، وہی بات جب دوسرے انداز سے سامنے آتی ہے تو دل میں اتر جاتی ہے۔ مبلغ کی کامیابی صرف اس بات میں ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے بات سمجھانے کا ڈھنگ جانتا ہو۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں تصریف آیات اسی چیز کا نام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ (الانعام:۱۰۵)

''اور اسی طرح ہم اپنی دلیلیں مختلف اسالیب سے پیش کرتے ہیں، تاکہ ان پر حجت قائم ہو جائے اور وہ بول اٹھیں کہ تم نے اچھی طرح پڑھ کر سنا دیا اور تاکہ ہم جاننے والوں کے لیے اچھی طرح واضح کر دیں۔''

قرآن مجید کے اولین مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، اس لیے قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے صحابہ کرام کو دعوت کے طریق کار اور اسالیب کی تعلیم دی۔ یہ ایک ایسی انفرادیت ہے جو اسلام کے علاوہ کسی بھی الہامی و غیر الہامی مذہب کو حاصل نہیں کہ اس نے اپنے پیروکاروں کو باقاعدہ دعوت و تبلیغ کے اصول پوری شرح وبسط سے بتائے ہوں۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ قمطراز ہیں:

''یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو سچائی کے قبول کرنے کی دعوت دینی چاہیے، دنیا میں پہلی دفعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا۔ وہ مذہب بھی جو الہامی اور تبلیغی ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں، یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے صحیفوں نے ان کے لیے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے لیکن صحیفہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیرووں کو یہ بتایا کہ پیغامِ الٰہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان کے قبولِ حق کی

دعوت کس طرح دی جائے؟!۔‘‘

قرآن مجید نے اپنے مخصوص معجزانہ اسلوب کے مطابق دعوت کے اصول ان الفاظ میں بیان فرمائے ہیں:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (النحل:۱۲۵)

’’(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) لوگوں کو حکمت اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو۔‘‘

اس آیت مقدسہ میں دعوت دین کے تین بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں: ’حکمت‘، ’موعظہ حسنہ‘ اور ’مجادلہ بطریق احسن‘۔ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ داعی اسلام کی حیثیت سے کیا جائے تو یہ بات بڑی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت وتبلیغ کے فریضہ کو ادا کرتے وقت ان اصولوں سے سرِ مو انحراف نہیں کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ کرام کے دعوتی کردار میں بھی انہی اصولوں کا غلبہ نظر آتا ہے۔ ایک نادان اور غیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لیے اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوسکتا ہے۔ اگر اس کے پیش کیے ہوئے دلائل بودے اور کمزور ہوں گے، اگر اس کا اندازِ خطابت درشت اور معاندانہ ہوگا، اگر اس کی تبلیغ اخلاص وللّٰہیت کے نور سے محروم ہوگی تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفر کردے گا کیونکہ اسلام کی نشر واشاعت کا انحصار تبلیغ اور فقط تبلیغ پر ہے۔ اس کو قبول کرنے کے لیے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے اور نہ جبر و اکراہ سے کام لیا جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایمان، ایمان ہی نہیں جس کے پس پردہ کوئی دنیوی لالچ یا خوف وہراس ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب مکرم کو دعوت اسلامی کے آداب کی تعلیم دی۔

دعوت کی کامیابی میں مرکزی کردار داعی کا ہے۔ داعی جس قدر تربیت یافتہ اور انسانی نفسیات کا عالم ہوگا، اسی قدر اس کی دعوت موثر ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے موثر ہونے کی ایک اہم وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی کردار تھا تو دوسری بنیادی وجہ آپ کا اسلوب دعوت تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مخاطبین کی ذہنی استعداد، میلانات، رجحانات اور ان کے خاندانی وعلاقائی پس منظر کو سامنے رکھ کر دعوت کا فریضہ انجام دیا۔ سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی متعین طریقِ دعوت نہ تھا بلکہ مخاطبین دعوت کے تبدیل ہونے کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب دعوت بھی تبدیل ہوجاتا تھا۔ ایک جاہل، ان پڑھ اور اجڈ مخاطب کو دعوت دینے کا انداز پڑھے لکھے اور شہر کے رہنے والے فرد سے مختلف ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی زندگی کا مطالعہ ہر داعی اسلام کے لیے اس حوالے سے دلچسپ بھی ہے اور قابل تقلید بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مخاطب کی صلاحیت کو پیش نظر رکھ کر اس کو دعوت پیش کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے

بعد لوگ مطمئن ہو کر واپس جاتے تھے۔دعوت دین کا یہ وہ اسلوب ہے جو اللہ تعالیٰ نے براہ راست اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دعوت دین کے ان ہی مختلف اسالیب کی تعلیم دی اور پھر صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور طرز عمل کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔

دعوت و تبلیغ میں دعوت کے پیش کرنے کا ڈھنگ اور اسلوب کس قدر اہمیت کا حامل ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کسی داعی کو کسی قوم، قبیلے یا علاقے کی طرف روانہ فرمایا تو وہاں کے لوگوں کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کو دعوت کے کسی نہ کسی اسلوب کی بھی تعلیم ارشاد فرمائی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

اصول تدریج کی تلقین:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ دعوت و تبلیغ میں تدریج کا لحاظ رکھا اور دوسرے مبلغین اسلام کو بھی اصولِ تدریج کی تلقین فرمائی۔حکمتِ تبلیغ کے ضمن میں داعی کا فرض ہے کہ تدریج کے پہلو کو نظر انداز نہ کرے۔ تدریج کا مطلب یہ ہے کہ داعی یک بارگی شریعت کے تمام احکامات کا بوجھ مخاطب کی گردن پر نہ لادے بلکہ آہستہ آہستہ اس کے سامنے سارے احکام پیش کرے۔ تدریج کا یہ اصول فرد اور قوم دونوں کے لیے ضروری ہے۔ دین ایک نظام ہے اور اس نظام کو اگر حکیمانہ ترتیب سے پیش نہ کیا جائے تو مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔ اسی حقیقت کی طرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

قرآن میں سب سے پہلے جو چیز نازل کی گئی، وہ مفصل کی سورتوں میں سے ایک سورت ہے، جس میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کے دائرے میں آ گئے تب حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے۔ اگر بالکل شروع ہی میں حکم آ جاتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ حکم دیا جاتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے۔''

اصول تدریج میں داعی احکام ترتیب کیا رکھے گا؟ اس کی وضاحت بھی خود زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی کہ سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت دی جائے، اس کے بعد عبادات۔ عبادات میں بھی اہم پھر اہم کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو جب یمن دعوت و تبلیغ کے لیے بھیجا تو ان الفاظ میں تلقین فرمائی:

انک ستاتی قوماً من اھل کتاب فاذا جئتھم فادعھم الی ان یشھدوا ان لا الہ الا اللّٰہ و ان محمد رسول اللّٰہ ، فان ھم اطاعوا لک بذالک فاخبر ھم ان اللّٰہ قد فرض علیھم خمس

صلوات فی کل یوم ولیلة، فان هم اطاعوا لک بذلک فاخبرهم ان اللّٰہ قد فرض علیهم صدقة توخذ من اغنیانهم، فترد علی فقر ائهم، فان هم اطاعوا لک بذالک، فایاک وکرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانه لیس بینه وبین الله حجابٌ. (متفق علیہ)

''تم عنقریب اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس پہنچو گے۔ جب تو ان کے پاس پہنچوتو سب سے پہلے انہیں یہ دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ اس میں تیری اطاعت کرلیں تو ان کو بتا کہ اللہ نے ان پر دن رات کی پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور جب وہ تیری یہ بات مان لیں تو ان کو بتا کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ (زکوۃ) فرض کیا ہے۔ یہ صدقہ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غریبوں کو دیا جائے گا اور جب وہ اس کو تسلیم کرلیں تو دیکھو چن چن کر ان کا عمدہ مال نہ لے لینا اور وہاں مظلوم کی بد دعا سے ڈرتے رہنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔''

رفق ونرمی کی تلقین:

داعی دعوت کا کوئی بھی اسلوب اختیار کرے، جب تک وہ مخاطب سے نرمی اور خیر خواہی کے جذبہ سے بات نہیں کرے گا، اس کی دعوت موثر نہیں ہوگی۔ سختی اور شدت مخاطب کے دل میں نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرتی ہے جس سے مخاطب اپنی ضد پر اڑ جاتا ہے۔ نتیجتاً دعوت کا سارا فائدہ اور نصیحت کا سارا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیا کو اپنے بدترین مخالفین سے بھی نرم انداز میں گفتگو کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے باغی کے سامنے پیغام ربانی لے کر جانے کا حکم دیا تو یہ ہدایت بھی فرمائی:

اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّناً لَعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی۝ (طٰہٰ:۴۴)

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اس نے سرکشی کی ہے تو اس سے نرم گفتگو کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے یا (اللہ سے) ڈرے۔''

دعوت وتبلیغ میں رفق ونرمی کی اس سے بہتر مثال نہیں ہوسکتی کہ نہ انبیا سے بہتر کوئی داعی ہوسکتا ہے اور نہ فرعون سے بڑھ کر کوئی سرکش اور باغی ہوسکتا ہے۔ اگر ایسے مجرم کے سامنے وعظ ونصیحت کرتے وقت نرمی اختیار کرنے کا حکم ہے تو عام مجرم اور گمراہ لوگوں سے تو کہیں بڑھ کر نرمی اختیار کرنی چاہیے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبلغ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہمیشہ نرمی اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن مرہ الجہنی کو اپنے قبیلہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجا تو ان کو دعوت وتبلیغ کا یہ اسلوب تعلیم فرمایا:

علیک بالرفق و القول السدید، و لا تکن فظا و کا متکبرا و لا حسودا. (ابن کثیر)

نرمی سے پیش آنا، صحیح اور سچی بات کرنا، سخت کلامی اور بد خلقی سے پیش نہ آنا، تکبر اور حسد نہ کرنا۔

دعوت وتبلیغ میں حسن اخلاق اور نرمی کا اسلوب کس قدر موثر ہے؟، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دعوت وتبلیغ کے لیے یمن روانہ فرمایا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کے ساتھ سختی کی جس کی وجہ سے چھ ماہ مسلسل کوشش کے باوجود بھی لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس بلا لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بطور مبلغ روانہ فرمایا۔ ابن اثیر کا بیان ہے:

بعث رسول اللّٰہ ﷺ علیا الی الیمن وقد کان ارسل قبلہ خالدؓ بن الولید الیھم یدعوھم الی الاسلام فلم یجیبوہ فارسل علیاؓ وامرہ ان یعقل خالداؓ ومن ساء من اصحابہ ففعل، وقراء علی کتاب رسول اللّٰہ ﷺ علی اھل الیمن فاسلمت ھمدان کلھا فی یوم واحد.

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور ان سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن ولید کو یمن دعوت وتبلیغ کے لیے بھیج چکے تھے لیکن ان لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو روانہ کرتے وقت نصیحت کی کہ وہ خالد اور ان کے اصحاب کی وجہ سے اہل یمن کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی اور نقصان کا تاوان ادا کریں ان لوگوں سے نرمی کریں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھ کر سنایا تو قبیلہ ہمدان سارے کا سارا ایک ہی دن میں مسلمان ہوگیا۔"

وہ لوگ جو چھ ماہ سے قبول اسلام سے انکاری تھے، جب ان کے ساتھ نرمی کا اسلوب اختیار کیا گیا تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ان چند روایات سے نرمی کے اسلوب کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ترغیب وترہیب کی تلقین:

حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی حارث بن کعب کے وفد کی واپسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم الانصاری کو ان کا والی مقرر کیا تاکہ ان سے زکوۃ وصدقات کی وصولی کے ساتھ ساتھ ان کو اسلامی تعلیمات سے بھی روشناس کرائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو بنی حارث کی طرف ایک طویل مکتوب دے کر روانہ فرمایا جس میں ان کو اسلامی احکام کی تبلیغ کا حکم فرمایا اور اس کے ساتھ ان کو دعوت میں

ترغیب وترہیب کا انداز اختیار کرنے کا بھی حکم دیا:

و یبشر الناس بالجنة و بعملها و ینذر الناس النار و عملها و یستالف الناس حتی یفقهوا فی الدین

''لوگوں کو جنت کی بشارت دیں اور اس کے اعمال سے آگاہ کریں، دوزخ سے ڈرائیں اور اس کے اعمال سے متنبہ کریں۔لوگوں کے ساتھ نہایت اخلاق سے پیش آئیں تاکہ وہ ارکانِ دین کو اچھی طرح سمجھ لیں۔''(ابن ھشام)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے، جن کو بنی حارث کی طرف تبلیغی مہم پر بھیجا گیا تھا، جب انہوں نے بذریعہ خط اپنی کامیابی کی اطلاع بھیجی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مزید تبلیغ جاری رکھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ تلقین بھی فرمائی:فبشرھم و انذرھم......تم ان کو جنت کی خوشخبری دو اور ان کو دوزخ سے ڈراؤ۔

موقع ومحل کا لحاظ رکھنے کی تلقین:

ہر داعی اسلام کے لیے ضروری ہے کہ وہ دیکھے کہ کیا دعوت وتبلیغ کے لیے یہ وقت اور موقع مناسب ہے؟ کیونکہ اگر مخاطب اعتراض اور نکتہ چینی کی طرف مائل ہو تو جذبے کی سچائی اور اندرونی لگن کے باوجود داعی کی دعوت غیر موثر ہوگی۔اس وقت مناسب یہ ہوگا کہ داعی بحث کو بڑھانے کے بجائے وہیں ختم کر کے وہاں سے ہٹ جائے اور کسی مناسب موقع کا انتظار کرے۔جب کسی دوسرے موقع پر مخاطب کا ذہن نکتہ چینی کی طرف مائل نہ ہو تو پھر اس کے سامنے حق کو پیش کرے۔ارشاد باری تعالی ہے:

واِذَا رَاَیۡتَ الَّذِیۡنَ یَخُوۡضُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتّٰی یَخُوۡضُوۡا فِیۡ حَدِیۡثٍ غَیۡرِہٖ(الانعام:٦٨)

''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں نکتہ چینی کر رہے ہیں تو ان سے اعراض کرو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔''

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع بے موقع دعوت وتبلیغ جیسے نازک کام سے منع کیا ہے جب مخاطب کسی کاروبار یا ایسی دلچسپی میں منہمک ہو جس کو چھوڑ کر دعوت حق کی طرف متوجہ ہونا اس کی طبیعت پر گراں گزرے۔اس صورت میں وہ داعی کی بات کو کبھی بھی دل کی گہرائی اور حقیقی جذبے سے نہیں سنے گا جو دعوت کی کامیابی کا سب سے لازمی عنصر ہے۔اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تلقین فرمائی کہ وہ دعوت وتبلیغ کے جوش میں ہر مجلس میں نہ گھس جایا کریں بلکہ پہلے حالات کا جائزہ لیں۔اگر دعوت کے لیے ماحول سازگار ہو تو دعوت دیں ورنہ مناسب وقت کا انتظار کریں۔(باقی آئندہ)

گوشۂ سیرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی

مولانا قمرالدین

معاشرہ کی بنیادی اینٹ بیوی ہے، یہیں سے معاشرہ کی بنیاد پڑتی ہے۔ جنت میں ساری سہولیات فراہم ہونے کے باوجود سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو جس چیز کی کمی محسوس ہوئی وہ بیوی ہے۔

حضرت حوّا علیہا السلام کو بھی مٹی سے پیدا کیا جاسکتا تھا بلکہ مٹی کی بھی ضرورت نہیں تھی صرف کلمہ کن کافی تھا، اس کے باوجود اللہ سبحانہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی کی ہڈی سے حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق فرمائی، اس کی کچھ نہ کچھ تو حکمت ہوگی؟ اس میں ایک حکمت جو ہمیں سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ تاکہ مرد وعورت میں مانوسیت برقرار رہے، ایک دوسرے کے جذبات کو سمجھنے کی صلاحیت باقی رہے۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان کو زمین کا زوج بنایا ہے اس کا مطلب بیوی نہیں ہے بلکہ جوڑا ہے، جیسے گاڑی کے دو پہیے ایک دوسرے کا جوڑا ہیں، گاڑی کے دو بیل ایک دوسرے کا جوڑا ہیں۔ جوڑا بمعنی معاون ہوتا ہے اور معاونت بغیر مزاج شناسی کے ممکن نہیں ہے، اسی طرح میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے زوج ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کو بحیثیت انقلاب کے اگر دیکھا جائے تو یہ پہلو ہمیں نمایاں ملتا ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے حقوق کی رعایت کرنے والے تھے''۔ یہ خوبی جس معاشرہ اور گھر میں پیدا ہوجائیگی وہ معاشرہ امن کا گہوارہ بن جائیگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزاج شناسی میں بھی معلم تھے۔ آپ نے ہمیشہ مخاطب کے مزاج کو پرکھا اور اس کا لحاظ رکھا تاکہ مخاطب کی دل آزاری نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے میں عیب اس وجہ سے کبھی نہیں نکالا کیوں کہ عیب کوئی بھی شخص جان بوجھ کر پیدا نہیں کرتا اور عیب گنوانے والے کو پسند نہیں کرتا اور اسے برداشت بھی نہیں کرپاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کھانا پسند نہ ہوتا تو نہیں کھاتے مگر عیب نہیں نکالتے تھے۔

زوجہ کے مزاج میں یہ بات پیوست ہے کہ انکے میکے والے اچھے ہیں، لہذا کبھی بھی میکہ کی نسبت سے طعنہ دینے سے منع فرمایا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے درمیان اپنے عہدہ کا کبھی رعب نہیں ڈالا کہ میں تمہارا نبی ہوں بلکہ شوہر، باپ اور خسر ہونے کا فریضہ ادا کیا۔ یہ اسوہ ہمارے معاشرہ میں مفقود ہوگیا ہے، ہم ہمیشہ اپنے عہدہ کے

ساتھ اپنے ماتحتین سے برتاؤ کرتے ہیں اوراسی وجہ سے نہ قریب ہو پاتے ہیں اور نہ ہی قریب کر پاتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خواہش پہ اپنے گھر والوں کو نہیں چلایا کہ مجھے یہ کھانا پسند ہے تو تم لوگ بھی یہی کھاؤ اور مجھے کھلاؤ بلکہ جہاں سے جس طرح کا بھی کھانا آیا آپ نے بشوق قبول فرمایا۔

اہل مدینہ گوہ (سانڈا) کھایا کرتے تھے اور یہ مکہ والوں کی ڈش نہیں تھی مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کو مکروہ نہیں کہا۔ یہ اعلیٰ ظرفی ہمیں اپنے گھر میں دِکھانی ہوگی کہ ہمارے بچوں اور ہماری شریکہء حیات کو کیا پسند ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا ناغہ تہجد کا اہتمام فرماتے اوراسی جگہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سوئی ہوتیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مجبور نہ کرتے کہ تم بھی میرے ساتھ تہجد کا اہتمام کرو۔ یہ شریعت کا نہایت ہی حکیمانہ نسخہ ہے، اسے اپنائے بغیر ایک اچھے گھر کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت گھر کے ایک فرد کے کیسے تھے اس تعلق سے احادیث رہنمائی سے بھری پڑی ہیں، آیئے ہم یہاں پہ چند حوالے درج کرتے ہیں:

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ”میں حالت حیض میں پانی پیتی پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا منہ مبارک اس جگہ رکھتے جہاں میرا منہ ہوتا تھا، پھر نوش فرماتے اور میں ہڈی چوستی حالت حیض میں پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیتی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا منہ مبارک میرے منہ کی جگہ پر رکھتے۔“ (زہیر نے (فیشرب) ذکر نہیں کیا۔ صحیح مسلم: جلد اول)

اسود کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے، انہوں نے بتایا کہ گھر والوں کے کام میں لگے رہتے تھے اور جب نماز کا وقت آجاتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک اہلیہ کا بوسہ لیا پھر نماز کے لئے تشریف لے گئے اور وضو نہ کیا۔ (صحیح ابن ماجہ: جلد اول)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرلیا کرتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد اول)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ لگائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ تمہارا اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنا یہ بھی صدقہ ہے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں یہ دنیا ساز وسامان کی جگہ ہے اور بہترین سامان نیک بیوی ہے۔

چند اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مل کر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ کے دروازے پر گئے اور عرض کیا کہ ام المؤمنین ہم فلاں لوگ ہیں اور آپ سے یہ بات معلوم کرنے آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی چار دیواری کے اندر کیا معمولات ہوتے ہیں؟۔ ام المؤمنین نے بتایا کہ حضورؐ کے گھر کے معمولات ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے دوسرے لوگوں کے ہوتے ہیں۔ کھانے کا وقت ہو تو کھانا کھاتے ہیں، گھر کا کوئی کام کاج ہو تو وہ کر دیتے ہیں، کوئی سودا وغیرہ منگوانا ہو تو وہ منگوا دیتے ہیں، ہمارا حال احوال پوچھتے ہیں، ہمارے ساتھ بات چیت بھی کرتے ہیں، گھر کی کسی چیز کی مرمت کرنی ہو تو وہ بھی کر دیتے ہیں، کوئی جوتا گانٹھنا ہو تو گانٹھ دیتے ہیں، چارپائی سیدھی کرنی ہو تو کر دیتے ہیں، کسی کام میں ہمارا ہاتھ بٹانے کی ضرورت ہو تو ہاتھ بٹا دیتے ہیں۔ الغرض حضورؐ کے معمولات دوسرے لوگوں جیسے ہی ہوتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیتہ۔

ایک روایت میں حضورؐ نے خود اس کی تشریح فرمائی کہ چرواہے کی ذمہ داری کیا ہوتی ہے، فرمایا کہ چرواہے کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی بکریوں اور بھیڑوں کو اچھی چراگاہ میں لے کر جائے کہ وہ اچھی غذا کھا سکیں، انہیں اچھے چشمے پر لے جائے کہ انہیں پینے کے لیے صاف پانی میسر ہو اور انہیں موسمی اثرات سے اور دشمن سے بچائے۔ پھر جناب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بھیڑ بکری کا دشمن بھیڑیا ہے جبکہ انسان کا دشمن شیطان ہے۔ یوں گھر کے سربراہ کی بھی یہی ذمہ داری ہے کہ ضروریاتِ زندگی مہیا کرے، یعنی خوراک، تعلیم، لباس، رہائش وغیرہ اور اس کے ساتھ شیطان کے نرغے سے اپنی اولاد کو بچانا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ گھر کی عورت کے متعلق آپؐ نے فرمایا والمراء ۃ راعیۃ فی بیت زوجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے حقوق کی رعایت فرماتے اور زندگی کے کسی بھی موڑ پر آپ اس سے غافل نظر نہیں آتے۔ ہر آن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حقوق کی فکر ہوا کرتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل (ازواج) کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے اہل کے لیے تم سب سے زیادہ بہتر ہوں۔

آپ کی عائلی زندگی اسلام کے اس مزاج و مذاق کی آئینہ دار ہے ایک مرتبہ مسجد نبوی میں عید الفطر کے موقع سے چند حبشی نوجوان نیزوں سے کھیل رہے تھے، حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے دیکھنے کی خواہش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے کھڑے ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھے اور گردن کے درمیان سے میں کھیل دیکھتی رہی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آقاؤں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: لوگو! جو خود کھاؤ، وہی ان کو بھی کھلاؤ، جیسا کپڑا

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

خود استعمال کرو، وہی کپڑا ان کے لیے بھی تیار کرو، وہ تمہارے بھائی ہیں غلام کو بھائی قرار دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیوار کو منہدم فرمایا جو حاکم اور محکوم کے درمیان کھڑی کر دی گئی تھی۔

گھر میں جو کھانا تیار ہوتا حاضر کر دیا جاتا آپ کی مرغوب اور پسندیدہ شے ہوتی تو تناول فرماتے ورنہ خاموشی اختیار کرتے، لیکن کھانے میں کوئی عیب نہیں لگاتے، دن کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ کرتے

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تو میری ہم جولیاں شرم کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپ جاتی تھیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو میرے پاس بھیج دیا کرتے تھے اور وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتی تھیں۔ (بخاری و مسلم)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بہت اچھا کھانا پکانا جانتی تھیں۔ ایک روز انھوں نے کوئی اچھی چیز پکائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھیج دی۔ آپؐ اس وقت حضرت عائشہؓ کے یہاں تھے۔ حضرت عائشہؓ کو ناگوار معلوم ہوا اور پیالہ زمین پر پٹک ڈالا۔ حضورؐ خود دستِ مبارک سے پیالہ کے ٹکڑوں کو چنتے تھے اور مسکراتے ہوئے فرماتے تھے: ''عائشہؓ! تاوان دینا ہوگا''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوجاتا ہے جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا وہ کیسے؟ فرمایا جب تم راضی ہوتی ہو تو ورب محمد (محمد کے رب کی قسم) کہہ کر بات کرتی ہو اور جب ناراض ہوتی ہو تو ورب ابراہیم (ابراہیم کے رب کی قسم) کہہ کر بات کرتی ہو، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب میں ناراض ہوتی ہوں تب بھی آپ کی محبت کا دریا میرے دل میں موجزن ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کا بہت زیادہ خیال فرماتے تھے؛ لیکن بے جا ضد اور اصرار پر ان سے ناراض بھی ہوتے تھے؛ چنانچہ جب ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے نفقہ وغیرہ کے مطالبہ پر اصرار کیا تو آپ ان سے ناراض ہوگئے اور ایک مہینے تک ایلاء کیا، اس طور پر کہ گھر کے بالائی حصہ پر قیام فرمایا اور اس دوران کسی بھی زوجہ کسی طرح کا ربط نہیں رکھا۔ (بخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ بیوی کی ہر جائز اور ناجائز بات اور مطالبہ کو تسلیم نہیں کرنا چاہئے اور جہاں پر بیوی کی طرف سے اس طرح کی بیجا ضد اور ہٹ دھرمی نظر آئے، وہاں پر برسبیلِ اصلاح اور تنبیہ ناراضگی کا اظہار بھی کیا جانا چاہئے۔

☆......☆......☆

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مطالعۂ سیرت - اہمیت اور ضرورت

مولانا اعجاز احمد قاسمی

مطالعہ سیرت کی اہمیت وضرورت پر گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سیرت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، سیرت اور حدیث کے مابین فرق، سیرت اور تاریخ کے درمیان فرق نیز سیرت کے بنیادی اور اہم مآخذ پر روشنی ڈال دی جائے تاکہ مطالعۂ سیرت کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کرنا اور سمجھنا دونوں آسان ہو جائے۔

سیرت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

سیرت کے لغوی معنیٰ طریقہ کار یا چلنے کی رفتار اور انداز کے آتے ہیں۔ عربی زبان میں "فِعلۃ" کے وزن پر جو مصدر آتا ہے اس کے معنیٰ کسی کام کا طریقہ یا کسی کام کو اختیار کرنے کے انداز اور اسلوب کے ہوتے ہیں مثلاً ذِبحہ کے معنیٰ ہیں طریقۂ ذبح اور قِتلہ کے معنیٰ ہیں: طریقۂ قتل۔ لہٰذا سیرت کے لغوی اور لفظی معنیٰ ہوئے "چلنے کا طریقہ"۔ بعد میں اس معنیٰ میں مزید توسع پیدا ہوا اور زندگی گزارنے کے اسلوب اور انداز کے معنیٰ میں اس کا استعمال ہونے لگا۔ پھر بہت جلد ہی سیرت کا یہ لفظ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔ چنانچہ آج دنیا کی تمام بولی جانے والی زبانوں میں سیرت کا لفظ عموماً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اسلامی علوم وفنون کی اصطلاح میں سیرت کا لفظ ابتداء میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کے لیے استعمال کیا گیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں سے معاملہ کرنے اور جنگوں یا صلح اور معاہدات کے معاملات میں اپنایا۔ چنانچہ قدیم مفسرین، فقہاء، محدثین اور سیرت نگاروں نے سیرت کا لفظ اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ قاضی محمد اعلیٰ تھانوی نے اپنی مشہور کتاب "کشاف اصطلاح الفنون" میں سیرت کے لغوی معنیٰ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

ثم غلبت فی الشرع علی طریقة المسلمین فی المعاملة مع الکفار والباغین وغیرھما من المستأمنین والمرتدین وأھل الذمة

یعنی شریعت کی اصطلاح میں اس لفظ کا زیادہ استعمال مسلمانوں کے اس طریقۂ کار پر ہوتا ہے جو وہ کفار، غیر مسلم

محاربین، مسلمان باغی، مرتدین، اہل ذمہ وغیرہ سے معاملہ کے بارے میں اختیار کرتے ہیں۔ علامہ ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں یہی بات لکھی ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں ''سیرت'' سے مراد وہ طریقہ ہے جو کفار کے ساتھ جنگ وغیرہ میں اپنایا جائے۔

بعد کے ادوار میں سیرت کے اصطلاحی معنی میں بھی توسع پیدا ہوا۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے سیرت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''آنچہ متعلق بہ وجود پیغمبر وصحابہ کرام وآل عظام است واز ابتدائے تولد آں جناب تا غایت وفات آں را سیرت گویند۔''

یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود گرامی، آپ کے صحابہ کرام، اہل بیت، آل عظام سے جو چیز بھی متعلق ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے آپ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے تک، ان سب کی تفصیل کو سیرت کہتے ہیں۔

چنانچہ جن جن قبائل سے آپ کا کسی نہ کسی درجہ میں تعلق رہا جس معاشرت اور معیشت کا قیام فرمایا جو انتظامات اور ادارے قائم کیے جو وثائق اور دستاویزات آپ نے مرتب کرائیں، آپ کے خدام، عمال، کارندگان حکومت حتی کہ آپ کی سواریاں، گھوڑے، اونٹنیاں وغیرہ بھی سیرت کے موضوعات میں شامل ہیں۔

حدیث اور سیرت کے درمیان فرق:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے متعلق سابقہ تمام معلومات حدیث کا بھی حصہ ہیں اور سیرت کا بھی۔ محدثین اور سیرت نگار دونوں حضرات نے ان معلومات کی طرف توجہ دی ہے، البتہ محدثین کا اصل زور اور اہتمام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، آپ کے افعال واعمال اور تقریرات پر اس اعتبار سے ہے کہ کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز؟ اس کے برعکس سیرت نگاروں کا زور اس پر ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی طرز عمل، شخصیت مبارکہ اور آپ کا رویہ کیا تھا؟ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ حدیث میں اصل بحث اقوال وافعال اور تقریرات سے ہوتی ہے اور ذات وشمائل رسول ضمناً زیر بحث آتے ہیں۔ جبکہ سیرت میں ذات وشمائل رسول اصلاً زیر بحث آتے ہیں اور اقوال وافعال پر ضمناً اور تبعاً بحث ہوتی ہے۔

دونوں کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے کہ سیرت میں درجہء صحت سے فروتر روایات بھی لائق اعتناء ہوتی ہیں جب کہ حدیث میں اس کی گنجائش نہیں۔ دونوں کے درمیان ایک اہم فرق یہ بھی ہے کہ صحیح وسقیم مرویات کے مابین امتیاز پیدا کرنے کے لیے محدثین نے جو میزان اور معیار مقرر کیا ہے وہ سیرت نگاروں کے اختیار کردہ

معیار سے بلند تر ہے۔

سیرت اور تاریخ کے درمیان فرق:

سیرت تاریخ کی ایک نوع ہونے کے باوجود فن تاریخ سے الگ اور ممتاز ہے۔تاریخ کی چند تعریفیں کی جاتی ہیں۔مشہور ماہر تاریخ کافیجی متوفی ۸۷۹ھ نے اپنی کتاب ''المختصر فی علم التاریخ'' میں یہ تعریف کی ہے کہ تاریخ زمانے کے حالات اور ان حالات کے متعلقات کی یقینی تلاش کا نام ہے۔

سخاوی متوفی ۹۰۲ھ نے اپنی مشہور کتاب ''الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ'' میں لکھا ہے کہ زمانے کے واقعات کی موقت جستجو کا نام تاریخ ہے جب کہ سیرت میں بطور خاص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق واقعات سے بحث کی جاتی ہے۔

نیز یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ سیرت کے مآخذ جس قدر مستند اور قابل اعتبار ہیں تاریخ کو ان کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں ہے۔تاریخ کا مدار صحت مند مآخذ کے بجائے قیاس پر زیادہ ہوتا ہے جبکہ سیرت میں قیاس کو قطعاً دخل نہیں ہوتا بلکہ روایات کو من وعن ذکر کر دینا سیرت نگار کا پہلا فرض ہے۔

سیرت کے مآخذ:

سیرت نبوی کے دو اہم مآخذ ہیں: پہلا ماخذ قرآن کریم ہے، جس کی صحت اور جس کا درجہء استناد شک وشبہ سے بالاتر ہے۔آپ کی زندگی کے اہم پہلوؤں کے لیے صحیح اور بنیادی معلومات قرآن کریم سے حاصل ہوتی ہیں۔ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: کان خلقہ القرآن۔ گویا قرآن آپ کے اخلاق کی صحیح اور سچی تفسیر وتصویر ہے۔ چنانچہ بہت سے علماء نے صرف قرآن پاک کی روشنی میں حیاتِ رسول مرتب کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔اس سلسلے کی ایک اہم کتاب مولانا محمد میاں دیوبندی کی ہے۔

دوسرا اہم ماخذ حدیث نبوی ہے جس کی حفاظت واداء میں لاکھوں نفوس قدسیہ نے اپنی جانیں کھپا دیں۔ چنانچہ زندگی کے مختلف شعبہ جات سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال پر مشتمل محدثین عظام نے جو مجموعے تیار کیے ہیں وہ سیرت نبوی کو جاننے اور سمجھنے کے اہم ذرائع ہیں۔ان کے علاوہ کچھ ثانوی مآخذ اور مصادر بھی ہیں مثلاً:

(ا) کتب المغازی والسیر۔

(۳) دلائل النبوۃ کے تحت تصنیف کردہ کتابیں مثلاً دلائل النبوۃ لأبی نعیم ، أعلام النبوۃ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

للماوردی وغیرہ۔

(۳) کتب الشمائل: یعنی وہ کتابیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واوصاف سے متعلق لکھی گئی ہیں مثلاً الشمائل للترمذی، شمائل الرسول لابن کثیر وغیرہ۔

(۴) وہ کتابیں جو تاریخ اور سیرت دونوں کو جامع ہیں۔ مثلاً تاریخ الأمم والملوک للطبری، تاریخ الاسلام للذہبی وغیرہ۔

مطالعہء سیرت کی اہمیت:

مطالعہء سیرت کی اہمیت کے سلسلے میں علامہ ابن القیم فرماتے ہیں کہ سیرت کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے لیے فرض ہے، اس لیے کہ سعادت دارین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی رہنمائی اور ہدایت پر مبنی ہے، لہٰذا جو شخص بھی سعادت کا طالب ہو اور نجات کا خواہش مند ہو وہ آپ کی لائی ہوئی ہدایت، آپ کی سیرت اور آپ کے معاملات سے آگاہی کا مکلّف اور پابند ہے۔

دور جدید میں مطالعہء سیرت کی اہمیت کے بعض نئے پہلو ہمارے سامنے آئے ہیں مثلاً تہذیبی نقطہء نظر سے اس کی اہمیت دو چند ہوگئی ہے کیونکہ اسلامی تہذیب سابقہ تمام تہذیبوں کی روح اور خلاصہ ہے۔ یہ اسلامی تہذیب ہی ہے جو جدید تہذیبوں کا ربط ماضی کی تہذیبوں سے قائم کرتی ہے۔ گویا اسلامی تہذیب سابقہ اور لاحقہ تہذیبوں کا نقطہء اتصال ہے۔ یہ ایک ایسی علمی حقیقت ہے جسے غیر مسلم مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا تمام تہذیبوں کے حقائق کی معرفت کے لیے اسلامی تہذیب سے بھرپور واقفیت لابدی ہے اور اسلامی تہذیب سے واقفیت سیرت کے مطالعہ کے بغیر ممکن نہیں۔

اسی طرح علمی اور تحقیقی اعتبار سے بھی مطالعہء سیرت کی اہمیت کافی بڑھ گئی ہے یعنی اسلامی تہذیب کی وجہ سے انسانی سطح پر جو زبردست علمی، تحقیقی اور فکری انقلاب برپا ہوا جس کے ذریعہ علوم وفنون کی تحقیق اور اس میدان میں ایک نئے عالمی دور کا آغاز ہوا۔ آخر یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوا؟ اس کی تفصیلات اور اس کے حقائق تک رسائی کے لیے بھی ہمارے لیے سیرت کا مطالعہ ناگزیر ہے

بین الاقوامی نقطہء نظر سے بھی سیرت کا مطالعہ کافی اہمیت کا حامل بن گیا ہے یعنی اس وقت جو عالمی مسائل پوری دنیا کو درپیش ہیں ان کا صحیح حل مسلم قوم کو شامل کیے بغیر تلاش نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمانوں کو جو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہے اسے نظرانداز کرکے اس سمت میں کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا جاسکتا۔ اس سلسلے میں مسلمانوں سے تعاون حاصل کرنے کے لیے ان کا مزاج اور ان کا تہذیبی پس منظر جاننا ازبس ضروری ہے اور اس کے لیے پوری اسلامی

تہذیب سے آگاہی ضروری ہے اور یہ سیرت کے بھر پور مطالعہ کے بغیر ممکن نہیں۔

نیز یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ سیرت محض ایک شخصیت کی سوانح عمری نہیں بلکہ یہ ایک تہذیب، ایک تمدن، ایک قوم، ایک ملت اور ایک الٰہی پیغام کے آغاز اور ارتقاء کی ایک انتہائی اہم، دلچسپ اور مفید داستان ہے۔ لہٰذا دورِ جدید کو خواہ وہ مسلمانوں پہ مشتمل ہو یا غیر مسلموں پر، پوری سنجیدگی کے ساتھ سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

مطالعہء سیرت کی ضرورت:

ایک مسلمان کے لیے مطالعہء سیرت کی ضرورت اظہر من الشّمس ہے کیونکہ مسلمانوں کے لیے اسوہء حسنہ صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور اس اسوہء حسنہ کی تفصیلات تین ذرائع سے ہم تک پہنچی ہیں۔ ایک تو قرآن پاک، دوسرے حدیث وسنت کے وہ ذخائر جن کے جمع کرنے اور مدون کرنے پر ہزاروں انسانوں نے اپنی زندگی وقف کر دیں، تیسرا ذریعہ سیرت مبارکہ اور آپ کے وہ شمائل اور خصائل ہیں جو سیرت کی مختلف کتابوں میں بالتفصیل نقل کر دئے گئے ہیں۔ اس لیے سیرت کے مطالعہ کے بغیر کوئی چارہء کار نہیں۔

نیز اسلام میں خدا کی معبودیت اور وحدانیت کے اعتراف کے بعد سب سے اہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر ایمان لانا ہے۔ جو ذات ہمارے لیے اتنی اہمیت کی حامل ہو کہ اس کا نام لئے بغیر ہمارا ایمان مکمل نہ ہوتا ہو، اس کے حالات سے لاعلمی ایک بدترین جرم ہے۔

مطالعہء سیرت کی ضرورت انسانی حیثیت سے بھی ہے، قرآن پاک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''رحمۃ للعالمین'' ہونے کا جو دعویٰ کیا ہے، ایک انسان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حیات طیبہ میں اس دعویٰ کی صداقت تلاش کرے اور حیات طیبہ سے متعلق پوری تفصیلات سیرت کی کتابوں میں درج ہیں۔

مطالعہء سیرت کی ضرورت اس پہلو سے اور بھی بڑھ گئی ہے کہ موجودہ دور ایک عالمگیریت کا دور ہے۔ پوری دنیا ایک عالمگیر نظام کی ضرورت محسوس کر رہی ہے۔ انسانی خود ساختہ نظام یکے بعد دیگرے فیل ہو رہے ہیں۔ پوری دنیا متبادل نظام کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہی ہے۔ یہ ضرورت اگر کوئی مذہب پوری کر سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام ہے۔ کیونکہ عالمگیر نظام کا نمونہ اگر کسی نے پیش کیا ہے تو وہ یہی اسلام ہے۔ گویا عالمگیر نظام برپا کرنے اور اسے صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لیے اگر کسی شخصیت کی زندگی صحیح رہنمائی کر سکتی ہے تو وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے اور آپ کی پوری زندگی کی عکاسی سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔

مطالعہء سیرت کی ضرورت اس پہلو سے بھی ہے کہ اسلام ہر دور میں اشاعت کے لحاظ سے ایک تیز رفتار مذہب رہا ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ جن ادوار میں مسلمانوں کو سیاسی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا اور مادی اور

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

عسکری اعتبار سے بہ ظاہر شکست ہوئی ان ادوار میں بطور خاص اسلام اور تیزی کے ساتھ پھیلا۔ نائن الیون (۹/۱۱) کا واقعہ اس کی تازہ ترین مثال ہے۔ اس واقعہ کے بعد امریکہ اور یورپ میں قبول اسلام کی جو رفتار رہی وہ اس سے پہلے نہیں رہی۔ اس سانحہ کے بعد اسلامی لٹریچرز کی طباعت و اشاعت بھی کئی گنا بڑھ گئی۔ آخر اس کے پیچھے راز کیا ہے؟ وہ کیا قوت اور اسپرٹ ہے جو اسلام کو اس تیزی کے ساتھ پھیلا رہی ہے؟ اسے جاننے کے لیے سیرت کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے۔

دور جدید میں مستشرقین کی طرف سے سیرتِ رسول اور تاریخ اسلام سے متعلق غلط قسم کے نظریات قائم کیے جانے اور بے بنیاد الزامات و اعتراضات وارد کئے جانے کی وجہ سے مطالعہ ٔسیرت کی ضرورت اور بھی دو چند ہوگئی ہے۔ جب تک سیرت کا مطالعہ گہرا اور وسیع نہ ہو ان کی طرف سے پیش کردہ شبہات اور اعتراضات کا رد علمی اور تحقیقی انداز میں بہت ہی مشکل ہے۔

مطالعہ ٔسیرت کی اہمیت اور ضرورت کے یہ چند نمایاں پہلو ہیں جن کا یہاں اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے مزید غور و فکر کرنے سے اور بھی پہلو سامنے آسکتے ہیں۔

ہمارے یہ مدارس

ہمارے یہ مدارس ،صرف درس گاہیں نہیں ہیں،طلبہ کے لیے اقامت گاہیں بھی ہیں۔طلبہ مدرسہ کی چاردیواری میں چوبیس گھنٹے رہتے ہیں۔ان کی زندگی کا یہ قیمتی حصہ مدرسہ کے اندر مشغولیات محصور ہوتا ہے۔اکثر مدارس میں اساتذہ کی بھی بڑی تعداد مدرسہ میں ہی مقیم ہوتی ہے۔ایسی صورت میں مدارس کی ذمہ داری صرف اتنی نہیں ہے کہ انہیں کتابیں پڑھا دی جائیں اور مطمئن ہو جائیں کہ ہم نے اپنا فریضہ ادا کردیا ہے۔طلبہ نے جب اپنے آپ کو مکمل طور پر مدارس کی آستانے پر ڈال دیا ہے تو جس طرح ان کے کھانے پینے ،دوا علاج اور رہائش کے انتظامات ہمارے مدارس کرتے ہیں اسی طرح ان کی اخلاقی اور عملی تربیت پر بھی توجہ دینی چاہیے۔ایک طالب علم ؛دین پڑھتا رہتا ہے لیکن اس کے سیرت و کردار اور اس کی چال ڈھال سے دین سے بے رغبتی اور اعراض بھی ظاہر ہوتا رہتا ہے۔معلوم ہونا چاہیے کہ یہ طلبہ ارباب مدارس کے پاس قوم کی امانتیں ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں۔ان کے قلب و باطن کی تربیت کی پوری کوشش اگر نہیں کی گئی تو امانت کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ (حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

فتنوں، مصیبتوں، سختیوں اور مشکلات میں

اہل ایمان کے لیے تسلی کا سامان اور انعامات

محمد احمد حافظ

انسانی زندگی راحتوں اور غموں کی رنگا رنگی سے عبارت ہے۔ کوئی ایک ڈھب نہیں ہے جس پر انسانی زندگی لگے بندھے انداز میں چلتی رہے۔ حیات انسانی میں جہاں مسرت وشادمانی کے لمحات پائے جاتے ہیں وہیں غموں کی شدت اور مصائب ومحن کی یلغار بھی پائی جاتی ہے۔ بسا اوقات مصائب کا سایہ اس قدر دراز ہوتا ہے کہ انسان مایوسی کی گہرائیوں میں گرنے لگتا ہے۔ ایسے میں اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہو تو پھر انسان کے لیے مصائب وآلام سے نبرد آزما رہنا ممکن نہیں رہتا۔ بہت جلد وہ شکست کھا جاتا ہے اور اس کی شخصیت بکھر جاتی ہے۔

اچھے برے حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی تو سزا کے طور پر سخت حالات بھیجتے ہیں اور کبھی آزماتے بھی ہیں کہ میرے بندے سختیوں میں کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں؟ یہ ایک امتحان ہوتا ہے، جو شخص اس امتحان میں کامیاب رہے اسے بے حد وگمان انعامات سے نوازا جاتا ہے؛ چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ،وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّااِلَيْهِ رَاجِعُوْن ،اُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَة ،وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْن. (البقرہ، ۱۵۵ تا ۱۵۷)

ترجمہ: ''اور البتہ ہم آزمائیں گے تم تھوڑے ڈر سے، اور بھوک سے، اور نقصان سے مالوں کے، اور جانوں کے، اور میووں کیا ور خوش خبری دے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچے ان کو کوئی مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر۔''

ایمان والوں کا وطیرہ یہ ہے کہ جب ان پر کٹھن حالات آتے ہیں، غم وآلام کے بادل چھانے لگتے ہیں تو وہ اپنے پروردگار کے حضور جھک جاتے ہیں۔ اپنے عجز وانکسار، تذلل اور واماندگی کا والہانہ اظہار کرتے ہیں، وہ روتے اور گڑگڑاتے ہیں تا کہ ان کا پروردگار ان سے راضی ہو جائے، اور ان کی مشکلات کو آسانیوں میں بدل دے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مومن کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ کسی حال میں نفع سے خالی نہیں۔وہ عافیت وسلامتی سے مالا مال ہو تو شکرِ نعمت کے ذریعے اپنی مغفرت اور درجات کی بلندی کا سامان کرتا ہے۔اس پر جب مصیبت اور سختی آتی ہے تو وہ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتا ہے، زاری کرتا ہے، دعاومناجات کے ذریعے اپنے پروردگار کو مناتا ہے۔اس سے جہاں اس کا اپنے خالق ومالک اور پالنہار سے تعلق مضبوط ہوتا ہے وہیں اس کی دعائیں اور فریادیں شرف قبول پاتی ہیں۔وہ زمرہ مقربین میں شمار ہو کر رحمت خداوندی کا مستحق ٹھہرتا ہے،اس پر انعامات کی بارش ہوتی ہے،اسے اپنے پروردگار کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔یوں مصیبتوں،سختیوں اور بلاؤں کا آنا مومن کے لیے تعلق مع اللہ کی استواری اور درجات کی بلندی کا سبب بن جاتا ہے۔

پچھلے دنوں شیخ الاسلام ابومحمد عبدالعزیز بن عبدالسلام سُلیمی الشافعی رحمہ اللہ المعروف عز بن عبدالسلام (التوفی: ۶۶۰ھ) کا ایک مختصر رسالہ بعنوان:......**الفتن والبلایا والمحن والرزایا او فوائد البلویٰ والمحن** پڑھنے کا موقع ملا۔مصیبت اور غم کے ماروں کے لیے اس میں تسلی اور اطمینان کا ایسا سامان ہے کہ دوران مطالعہ انسان عجیب وغریب ایمانی کیفیات سے سرشار ہوتا ہے۔جی چاہا کہ اس مختصر رسالے کی اردو میں ترجمانی مناسب اضافوں کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کی جائے۔اللہ پاک ہماری مدد فرمائے،آمین! ۔

شیخ عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:......دکھوں غموں اور مصیبتوں کے مختلف فوائد ہیں جو انسانی طبیعتوں کے اختلاف کے ساتھ ان پر مرتب ہوتے ہیں،مثلاً:

۱......**صفت ربوبیت کی معرفت**:سب سے پہلی بات جو انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت اور شان قہر کی معرفت ہے۔انسان پر جب سختیاں آتی ہیں وہ بھوک سے لاچار ہوتا ہے،اور وہ کئی مواقع پر نہ چاہتے ہوئے بھی دوسروں کا زیر احسان ہوتا ہے۔بندے کو اپنی ذلت ومسکنت، عاجزی،درماندی اور واماندگی کا ادراک ہوتا ہے،وہ مشیت الٰہی کے سامنے کس کس قدر لاچار ہے۔

۲......**قضاء وقدر پر ایمان کی پختگی**:جب بندے کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور وہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہتا ہے تو گویا وہ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ تمام جہانوں کا مالک اللہ ہے،اور وہ اس کا ایک چھوٹا سا بندہ ہے۔اسے اپنے پروردگار کے حکم وتدبیر اور قضاء وتقدیر کی طرف ہی لوٹنا ہے۔اس کے لیے کوئی جائے فرار نہیں،اور اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْنَ اِذَآاَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّآاِلَیْہِ رَاجِعُوْن (البقرہ:۱۵۶)

۳......**اخلاص کا حصول**:مصائب ومحن اللہ کے لیے اخلاص بھی پیدا کرتے ہیں،جب اس کے سوا کوئی ذات

سختیوں کو دور کرنے والی نہ ہو، نہ کوئی ایسی ذات ہو جس پر انسان اعتماد کر سکتا ہو، امیدیں ہر طرف سے دم توڑ چکی ہوں تو پھر انسان مکمل اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ (الانعام:۱۷)

''اور اگر اللہ تم کو کوئی سختی پہنچائے تو اس کے سوا اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر نعمت (وراحت) عطا کرے تو (کوئی اس کو روکنے والا نہیں) وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ (العنکبوت:۶۵)

''پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں؛ خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں، لیکن جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو جھٹ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔''

۴...... **توبہ کی توفیق ملنا:** ایک مومن پر جب مصیبتیں اور بلائیں آتی ہیں تو اپنے اعمال پر نگاہ جاتی ہے، وہ اپنے اعمال کا جائزہ لیتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ کہاں کہاں اس سے اللہ ورسول کی نافرمانی ہو رہی ہے، کس کس حکم کو وہ توڑ رہا ہے اور اپنے پروردگار کو ناراض کر رہا ہے؟۔ چناں چہ وہ اپنی کوتاہیوں اور نافرمانیوں پر توبہ کرتا ہے۔ توبہ کا تو قرآن مجید میں حکم ہے، چناں چہ ارشاد ہے:

وَتُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعاً اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (النور:۳۱)

اور مومنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ فلاح پاؤ۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ط عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ (التحریم:۸)

''اے ایمان والو! اللہ کے سامنے سچے دل سے توبہ کرو، امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تم کو باغہائے بہشت میں؛ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی داخل کرے گا۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یَااَیھاالناسُ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ فَاِنِّیْ اَتوبُ فِی الیومِ اِلَیْہ مِائَۃَ مرۃٍ (مسلم)

اے لوگو! اللہ کے حضور توبہ کرو، میں دن میں سو مرتبہ اس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔

توبہ کرنے والے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، اس کی تقصیرات سے درگزر کرتے ہیں، اور اسے مشکلات سے نجات عطا فرماتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محض گناہ کرنے سے بندہ کی گرفت نہیں ہوتی، گناہ سے توبہ نہ کرنے پر پکڑ

ہوتی ہے۔آدم کی اولاد میں کوئی ایسا نہیں کہ جس سے گناہ سرزد نہ ہو،لیکن بہترین گناہ گار وہ ہے جو گناہ ہوجانے کے بعد توبہ کرلیتا ہے......حدیث نبوی ہے:...... کل بنی آدم خطاء وخیر الخطائین التوابون ۔کہ بنی آدم میں سے ہر ایک خطا کار ہے؛اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔

۵......رجوع الی اللہ کی توفیق ملنا: انابت اور رجوع الی اللہ میں اضافہ ہوتا ہے،جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاِذَامَسَّ الْاِنْسَان ضُرٌّدَعَارَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ(الزمر:۸)

''اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کو پکارتا (اور) اس کی طرف دل سے رجوع کرتا ہے۔''

۶......تضرع اور دعا کی توفیق ملنا: تضرع،زاری اور دعا کا موقع نصیب ہوتا ہے،قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَان ضُرٌّ دَعَانَا(الزمر:۴۹)

''جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے۔''

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّااِيَّاهُ(الاسراء:۶۷)

''اور جب تم کو دریا میں تکلیف پہنچتی ہے تو جن کو تم پکارا کرتے ہو سب اس کے سوا گم ہوجاتے ہیں۔''

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَاتَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَاءَ(الانعام۴۱)

(نہیں) بلکہ اسی کو پکارتے ہو،تو جس دکھ کے لیے اسے پکارتے ہو وہ اگر چاہتا ہے تو اس کو دور کردیتا ہے۔''

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً(الانعام:۶۳)

''کہو؛ بھلا تم کو جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں سے کون مخلصی دیتا ہے؟! جب کہ تم اسے عاجزی اور نیاز پنہانی سے پکارتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے مجھے پکاریں،مناجات کریں،سختیاں نازل ہوں تو زاری اور تضرع کرتے ہوئے میری طرف لپکیں،بندے اگر اس پریشان حالی میں بھی رجوع الی اللہ میں کوتاہی کریں تو یہ بات اس کے غضب کا سبب بنتی ہے۔آزمائش کے دوران دعا ومناجات میں کوتاہی قہر الٰہی پر راسخ کے مترادف ہے۔اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑانا موجبِ عجز وبندگی ہے؛اور یہی پسندیدہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا ہے:

فَاَخَذْنَاهُمْ بِالْبَاْسَاءِ وَالضَّرَاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ(الانعام:۴۲)

''جب ہم تنگی اور بیماری کے ساتھ پکڑتے ہیں تو اس لیے کہ یہ لوگ تضرع کریں۔''

پھر آگے یوں فرمایا:

فَلَوْلَااِذْجَاءَ هُمْ بَاْسُنَاتَضَرَّعُوْا(الانعام:۴۳)

کہ جب ہماری پکڑ آئی تو یہ روئے کیوں نہیں؟

تو گویا اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ کسی طرح آداب بندگی بجالائے۔ وہ اپنے پروردگار سے لاتعلق اور لاپروا نہ رہے۔ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا بن جائے۔

۷......**طبیعت میں حلم اور وقار پیدا ہونا:** جب مشکلات اور تنگیاں پیش آتی ہیں تو انسانی طبیعت میں حلم، وقار اور ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے، وہ اپنے جیسے لوگوں کو ان کی غلطیوں پر معاف کرنے لگتا ہے۔

مصائب ومشکلات کی وجہ سے انسان میں دو خصلتیں پیدا ہوتی ہیں......حلم اور بردباری؛ یہ دونوں خصلتیں اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں۔ مصائب کے اعتبار سے حلم کے بھی مختلف مراحل ہیں، جتنے بڑے مصائب ہوں گے اتنے ہی حلم کا درجہ ہوگا۔

۸......**ظلم کرنے والوں کو معاف کردینے کا جذبہ:** اپنے اوپر ظلم اور زیادتی کرنے والے کو معاف کردینا، یہ بہت بڑی صفت ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران:۱۳۴)

''لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔''

فَمَنْ عَفَاوَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ (الشوریٰ:۴۰)

''پس جو شخص درگزر کرے، اور معاملے کو درست کردے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔''

۹......**مصائب پر صبر کی توفیق ملنا:** مصائب پر صبر کرنا، یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو پانے اور اجر وثواب میں اضافے کا بہت بڑا سبب ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ (آل عمران:۱۴۶)

''اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ محبت رکھتے ہیں۔''

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَاب (الزمر:۱۰)

''جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے حساب ثواب ملے گا۔''

وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ اَلَّذِیْنَ اِذَآاَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّآاِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ (البقرۃ:۱۵۶،۱۵۷)

ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کا مال ہیں، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

رستے پر ہیں۔‘‘

ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب ’’شجرۃ المعارف والاحوال‘‘ میں فرماتے ہیں:

’’قدرت کی جانب سے آنے والے امتحانات اور شدائد پر صبر کرنا باطنی ترقی کے لیے تیر بہ ہدف ہے۔‘‘

عارفین میں سے ایک عارف کا کہنا ہے: ’’جانتے ہو صبر کی تعریف کیا ہے؟...... ہر وہ بلا اور ناخوشگوار امر جو بندہ پر آئے؛ اس سے وہ رنجیدہ اور ناخوش نہ ہو۔ جب اِنَّ لِلّٰہِ مَااَعْطیٰ وَلہُ مَااَخَذَ کہہ دیا تو پھر بندے کو کیا ضرورت کہ جزع فزع کرے؟ سب کچھ اسی کا تو ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاصْبِرْ عَلٰی مَااَصَابَکَ (لقمان:۱۳)

یعنی اپنی جان پر آنے والے شدائد پر صبر کرنا امر ربی ہے۔ کہا جاتا ہے:

الصبر علی الطلب عنوان الظفر

والصبر فی المحن عنوان الفرج

قرآن مجید میں ارشاد ہے: فَاصْبِرْ صَبْراً جَمِیْلاً ...... صبر جمیل یہ ہے کہ انسان مصیبت میں مبتلا ہو مگر اس کے عزیزوں اور دوستوں کو معلوم بھی نہ ہو کہ وہ کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہے۔

۱۰...... سکون واطمینان حاصل ہونا: مصائب ومحن کی شدت سے جب انسان اپنا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط کرتا ہے، اس کے سامنے گریہ وزاری، تضرع اور عاجزی کا مظاہرہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مصائب وتکالیف کے باوجود اس بندے پر سکینت طاری فرما دیتے ہیں جس سے اسے سکون واطمینان اور فرحت وسرور حاصل ہوتا ہے۔ پھر ان کا حال ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَیَفْرَحُوْنَ بِالْبَلَاءِ کَمَاتَفْرَحُوْنَ بِالرَّخَاءِ، اوکما قال علیہ السلام (ابن ماجہ، ومسند احمد)

’’یہ لوگ بلاء پر اس طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح تم خوشحالی پر خوش ہوتے ہو۔‘‘

اس لیے کہ وہ ان سختیوں پر اخروی اجر وثواب کی امید رکھتے ہیں؛ جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا ہوتا ہے...... ’’مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آسان ہو گئیں‘‘۔

۱۱...... نعمتوں پر شکر کی توفیق ملنا: بسا اوقات نعمت کے موجود ہونے پر شکر کی توفیق نہیں ملتی، البتہ جب کوئی نعمت چھن جائے تو قدر معلوم ہوتی ہے، پھر انسان میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کی عادت پڑتی ہے، جیسا کہ مریض طبیب کا شکر ادا کرتا ہے؛ حالاں کہ کبھی اس کا کوئی عضو کاٹ دیتا ہے، کبھی وہ مریض کو اپنی پسندیدہ چیزوں کے کھانے پینے، اور استعمال سے منع کر دیتا ہے۔ اس توقع پر کہ اسے مرض سے شفا حاصل ہوگی۔

۱۲......مصائب پر گناہ معاف ہونے کی بشارت: مصیبتیں گناہوں کے محو ہونے اور معافی کا سبب بنتی ہیں۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَااَصَابَکُمۡ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡ عَنۡ کَثِیۡرٍ (الشوریٰ:۳۰)

''اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے اپنے فعلوں سے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف کر دیتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا یُصِیۡبُ الۡمُسۡلِمُ من نصب ولا وصب ولا حزن ولا غم ،حتی الشَّوۡکَۃِ یُشَاکُھا ،الا کفَّرَ اللّٰہُ بھا من خطایاہ (بخاری و مسلم)

''مسلمان کو جو بھی دکھ، گھٹن، حزن وملال، اور غم پہنچتا ہے حتیٰ کہ اگر کانٹا ہی لگ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کی خطائیں معاف کرتا ہے۔''

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یزال البلاء بالمئومن والمئومنۃ فی جسدہ واھلہ ومالہ ،حتیٰ یلقی اللّٰہ عزوجل وماعلیہ خطیئۃ (بخاری کتاب الزہد)

''مومن مرد مومن عورت کو تکلیف پہنچتی رہتی ہے، اس کے جسم میں، اس کے اہل وعیال میں، اور مال میں یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔''

۱۳......عام لوگوں میں جذبہ خدمت خلق پیدا ہونا: مصائب وشدائد کی وجہ سے اہل بلاء کے لیے عام لوگوں میں شفقت ومودت، خبر گیری اور مدد ومساعدت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اور وہ ان مصیبت زدگان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔اس طرح اہل بلاء مامون ومحفوظ لوگوں کے اجر وثواب میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

۱۴......عافیت اور سلامتی کی قدر معلوم ہونا: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، عافیت اور سلامتی کی قدر معلوم ہوتی ہے۔بندہ ان نعمتوں پر کہ جن کا کوئی شمار نہیں؛ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے۔

۱۵......آخرت میں اجر وثواب: اہل بلاء کے لیے؛ جب کہ وہ اپنی مصیبتوں پر صبر اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں بہترین اجر وثواب تیار کر رکھا ہے۔

۱۶......مصائب پر نادیدہ فوائد وثمرات ملنا: ان مصائب کے ضمن میں اور بہت سے ایسے فوائد وثمرات ہیں جن کا ادراک بسا اوقات انسان کو نہیں ہوتا، چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَعَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَھُوۡا شَیۡئًا وَّیَجۡعَلَ اللّٰہُ فِیۡہِ خَیۡرًا کَثِیۡرًا (النساء:۱۹)

''عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔''

وَعَسیٰ اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ (البقرۃ:۲۱۶)

''عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو۔''

۱۷......عبدیت اور تواضع پیدا ہونا: جب کوئی انسان مصائب وشدائد میں مبتلا ہوتا ہے تو اسے اپنی ذات میں غور وفکر کرنے کا موقع ملتا ہے، پھر وہ شر وفساد، رعونت، غرور، تکبر وتجبر سے اجتناب کرنے لگتا ہے، اس لیے کہ سختی انسان کو اندر سے توڑتی ہے۔ اس میں عاجزی، تواضع اور عبدیت کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِہٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا (یونس:۱۲)

''اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹا اور بیٹھا اور کھڑا (ہر حال میں) ہمیں پکارتا ہے۔''

۱۸......اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول: مصیبتوں اور سختیوں کے سبب اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اس میں بھی انسان دو حال سے خالی نہیں، اس لیے کہ مصیبتیں نیک وبد؛ دونوں پر آتی ہیں، اگر مصائب کے سبب انسان غضبناک ہوا، غصے اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو یہ بات اس کی دنیا وآخرت کی تباہی کا سبب ہوگی، اور اگر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی رہا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ اور یہ ایسی چیز ہے جو جنت سے بھی افضل ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ ط ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (التوبۃ:۷۲)

''اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی تو سب سے بڑی نعمت ہے، یہی بڑی کامیابی ہے۔''

سختیوں، مصیبتوں، بلاؤں اور غم واندوہ پر ملنے والے یہ چند فوائد وثمرات ہیں، گو کہ سختی اور مصیبت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے؛ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ عافیت مانگنی چاہیے، لیکن اگر کبھی کٹھن حالات سے سابقہ پڑ جائے تو صبر وضبط کا دامن پکڑے رکھیں، اللہ تعالیٰ کے فیصلوں سے خوش رہیں۔ تقدیر بدل نہیں سکتی۔ گھبراہٹ، بے قراری، نالہ وشیون کا اظہار خود ایک گناہ ہے۔ سختیوں کے زمانے میں اللہ تعالیٰ سے خوب دعا ومناجات کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے، دعائیں شرف باریابی پاتی ہیں، اور عطائیں انسان کا مقدر بنتی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی دھیان رہنا چاہیے کہ معصیتوں سے بچنے کا خوب اہتمام بھی کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ زبان پر توبہ توبہ ہو اور اعمال میں کجی ہو۔ اعمال کو بھی شریعت کے مطابق درست کرنے ضرورت ہے۔ حقوق اللہ خصوصاً حقوق العباد کی ادائیگی پر توجہ رہنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے......آمین!۔☆

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا شرف تابعیت اور وحدانی روایات

مولانا محمد ساجد

اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جن خوبیوں اور کمالات سے نوازا ان میں سے ایک امام صاحبؒ کا تابعی ہونا ہے۔ تابعی وہ کہلاتا ہے جس نے ایمان کی حالت میں کسی صحابیؓ کو دیکھا ہو اور ایمان ہی کی حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو۔

اس تعریف کے مطابق امام صاحبؒ بھی تابعین میں شامل ہیں، کیونکہ علامہ شامیؒ کے بقول امام صاحبؒ کی بیس صحابہ کرامؓ سے ملاقات ہوئی ہے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت انس بن مالکؓ۔ (۲) حضرت عبداللہ بن جزاء الزبیدیؓ۔

(۳) حضرت جابر بن عبداللہؓ۔ (۴) حضرت معقل بن یسارؓ۔

(۵) حضرت واثلہ بن الاسقعؓ۔ (۶) حضرت ابن عباسؓ۔

(۷) حضرت محمود بن ربیعؓ۔ (۸) حضرت ابوطفیلؓ۔

(۹) حضرت سہیل بن سعدؓ۔ (۱۰) حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ۔

(۱۱) حضرت ابن نقیلؓ۔ (۱۲) حضرت سہل بن حنیفؓ۔

(۱۳) حضرت عبداللہ بن عامرؓ۔ (۱۴) حضرت ابن جزاءؓ۔

(۱۵) حضرت عبدالرحمن بن یزیدؓ۔ (۱۶) حضرت مقدادؓ۔

(۱۷) حضرت ابن ثعلبہؓ۔ (۱۸) حضرت ابوامامہؓ۔

(۱۹) حضرت عمرو بن حریثؓ۔ (۲۰) حضرت محمود بن لبیدؓ۔ (۱)

اور جن صحابہ کرامؓ کا زمانہ امام صاحبؒ نے پایا وہ تقریباً ستر ہیں اور امام صاحبؒ کی تابعیت پر امام صاحبؒ کی اپنی اور دیگر محدثین کی تصریحات موجود ہیں جن سے امام صاحبؒ کا تابعی ہونا واضح ہوتا ہے، چنانچہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں:

(۱) " آخذ بكتاب الله فمالم اجد فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فان لم اجد فى كتاب الله ولا سنة رسول صلى الله عليه وسلم اخذت بقول اصحابه آخذ بقول من شئت منهم، وادع من شئت منهم ولا اخرج من قولهم الى قول غيرهم فاذا انتهى الامر، أو جاء الى ابراهيم الشعبيؒ وابن سيرين الحسنؒ، وعطاءؒ، وسعيد بن المسيبؒ، وعدد رجالا فقوم اجتهدوا فاجتهد كما اجتهدوا"۔(۲)

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے لیتا ہوں اور اگر مجھے اس میں نہیں ملتا تو رسول خدا کی سنت میں تلاش کرتا ہوں اگر مجھے نہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ملے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ملے تو میں ان کے صحابہؓ کی بات لیتا ہوں ان میں سے جس کو پسند کرتا ہوں اور ان میں سے جسے چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، میں ان کے اقوال سے دوسروں کے اقوال کی طرف نہیں جاتا پس جب معاملہ ابراہیمؒ الشعبی، ابن سیرین الحسنؒ، عطاء، سعید بن المسیبؒ اور ان جیسے کئی آدمیوں تک پہنچتا ہے تو وہ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اجتہاد کیا ہے تو میں بھی اجتہاد کرتا ہوں جیسے انہوں نے اجتہاد کیا۔

ایک روایت میں امام صاحبؒ نے فرمایا " فاذا جاء عن التابعين زاحمتهم"۔(۳)

''جب کوئی مسئلہ تابعین سے آتا ہے تو میں ان کا مقابلہ کرتا ہوں۔''

اس عبارت میں امام صاحبؒ کا تابعین کے ساتھ مزاحمت کرنے کا ذکر ہے اور تابعین کے ساتھ مزاحمت صرف تابعی ہی کر سکتا ہے اس سے معلوم ہوا امام صاحبؒ بھی تابعی ہیں۔

(۲) امام مجد الدین ابوالسعد ات مبارک ابن الاثر الجزریؒ (م ۶۰۶ھ) نے امام صاحبؒ کے متعلق فرمایا: " ابو حنيفة تابعى بلاخلاف"۔(۴)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کے تابعی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۳) امام ابواحمد محمد بن احمد الحاکم الکبیرؒ (م ۳۷۸ھ) نے امام صاحبؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

" نشأ بالكوفة ومات ببغداد ويعد فى التابعين"۔(۵)

ترجمہ: آپ نے کوفہ میں پرورش پائی اور بغداد میں فوت ہوئے اور آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔

(۴) امام محمد بن اسحاق المعروف بہ ابن الندیمؒ (م ۳۸۵ھ) جو کہ قدیم مورخ ہیں؛ امام اعظمؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں " وكان من التابعين ولقى عدة من الصحابة"۔(۶)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ تابعین میں سے ہیں اور آپؒ نے کئی صحابہؓ سے ملاقات کی ہے۔

(۵) امام یحییٰ بن ابراہیم سلماسیؒ (م ۵۵۰ھ) امام صاحبؒ کے مناقب میں لکھتے ہیں "فأبو حنيفة أدرك الصحابة رضى الله عنهم فهو من التابعين"۔(۷)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ نے صحابہؓ کو پایا ہے اور آپؒ تابعین میں سے ہیں۔

ان تمام اقوال سے امام صاحبؒ کا تابعی ہونا واضح ہوگیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی وحدانی روایات:

جس طرح اللہ تعالیٰ نے امام صاحبؒ کو شرف تابعیت سے نوازا اسی طرح صحابہ کرامؓ سے احادیث مبارکہ سننے کا شرف بھی بخشا ہے، چنانچہ امام صاحبؒ نے صحابہ کرامؓ سے جو احادیث سنیں ان میں سے چند احادیث درج ذیل ہیں۔

(۱) "روى ابو حنيفةؒ قال سمعت انس ابن مالكؓ يقول سمت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول طلب العلم فريضة على كل مسلم"(۸)

ترجمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انسؓ کو اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

(۲) روى ابو حنيفةؒ عن انس بن مالكؓ عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الدال على الخير كفاعله."(۹)

ترجمہ: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انسؓ کو اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کے مثل ہے۔

(۳) روى ابو حنيفؒ عن انس بن مالكؓ عن النبى صلى الله عليه وسلم قال ان الله يحب اغاثة اللهفان". (۱۰)

ترجمہ: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا "بیشک اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی دست گیری کو پسند فرماتا ہے"۔

(۴) "روى ابو حنيفةؒ قال سمت انس بن مالكؓ قال سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول من تفقه فى دين الله كفاه الله ورفعه من حيث لايحتسب"(۱۱)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

ترجمہ: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انسؓ اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ''جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین میں سمجھ حاصل کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے کافی ہوجائے گا اور اسے وہاں سے رزق دیگا جہاں سے اسے توقع بھی نہیں ہوگی''۔

(۵) '' روی ابوحنیفةؒ قال سمت انس بن مالکؓ یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من قال لا الٰہ الا اللّٰہ خالصا مخلصا بھا قلبہ دخل الجنت، ولو توکلتم علی اللّٰہ حق توکلہ لرزقتم کما ترزق الطیر، تغدو خصاما وتروح بطانا''(۱۲)

ترجمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ''اللہ کے رسول نے فرمایا: وہ جو کہے خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، خلوص دل کے ساتھ، وہ جنت میں داخل ہوگا اور اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جیسا توکل کرنے کا حق ہے تو تمہیں رزق ملے گا جیسے پرندوں کو رزق ملتا ہے وہ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں''۔

(۶)'' رویٰ ابوحنیفةؒ قال ولدت سنة ثمانین و قدم عبداللّٰہ بن انیسؓ الکوفة سنہ اربع وتسعین وسمعت منہ وانا اربع عشر سنة سمعتہ یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حبک للشی یعمی ویصم''. (۱۳)

ترجمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: میری پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی، اور عبداللہ بن انیسؓ کوفہ چھیانوے سال کی عمر میں آئے اور میں نے ان سے سنا جب میں چودہ سال کا تھا، میں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کسی چیز کی محبت تمہیں اندھا اور بہرا کردے گی''۔

(۷) '' روی ابوحنیفةؒ قال سمعت عبداللہ بن انیسؓ یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رأیت فی عرضی الجنة مکتوبا ثلاثة اسطر بالذھب الاحمر لا بماء الذھب (السطر الاول) لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ (السطر الثانی) الامام ضامن والموذن موتمن فارشد اللّٰہ الائمة وغفر للمؤذنین (والسطر الثالث) وجدنا ما عملنا ربحنا ماقدمنا خسرنا ماخلفنا قدمنا علی رب غفور''(۱۴)

ترجمہ: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن انیسؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے جنت کے کونوں میں سرخ سونے کے ساتھ نہ کہ سونے کے پانی کے ساتھ تین

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

سطریں لکھی ہوئی دیکھیں پہلی سطر میں لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، دوسری سطر میں لکھا ہوا تھا امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار پس اللہ تعالیٰ ائمہ کو ہدایت دے اور مؤذنین کی مغفرت فرمائے اور تیسری سطر میں لکھا ہوا تھا ہم نے جو عمل کیا ہم نے پالیا ہم نے جو کچھ آگے بھیجا اس کا نفع پالیا، جو پیچھے چھوڑ آئے اس کو ہم نے کھو دیا اور ہم رب غفور کے پاس حاضر ہو گئے ہیں۔

(۸)" روی ابوحنیفۃؒ قال ولدت سنة ثمانين و حججت مع أبی سنة ست وتسعين وانا ابن ست عشرة سنة فلما دخلت المسجد الحرام رايت حلقة عظيمة فقلت لابی حلقة من هذه؟ قال حلقة عبداللّٰه بن جزء الزبيدیؓ صاحب رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فتقدمت فسمعته يقول سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يقول من تفقه فی دين اللّٰه كفاه اللّٰه همه ورزقه من حيث لايحتسب"(۱۵)

ترجمہ: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بیان کیا انہوں نے کہا میں ۸۰ھ کو پیدا ہوا تھا اور میں اپنے والد کے ساتھ ۹۶ھ کو حج پر گیا تھا اور میں سولہ سال کا تھا، جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے بہت بڑا حلقہ دیکھا تو میں نے اپنے والد سے کہا یہ کس کا حلقہ ہے تو انہوں نے کہا عبداللہ بن جزء الزبیدیؓ کا حلقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، میں آگے بڑھا اور انہیں یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا "جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین میں سمجھ حاصل کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے کافی ہو جائے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں اسے توقع بھی نہیں ہوگی"۔

(۹)" روی ابوحنيفةؒ قال لقيت عبداللّٰه بن الحارث جزء الزبيدیؓ صاحب رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فقلت اريد ان اسمع منه فحملنی أبی علی عاتقه وذهب بی اليه فقال ماتريد؟ فقلت أريد أن تحدثنی حديثا سمعته من رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فقال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يقول اغاثة الملهوف فرض علی كل مسلم، من تفقه فی دين اللّٰه كفاه اللّٰه همه ورزقه من حيث لايحتسب"(۱۶)

ترجمہ: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: میں عبداللہ بن الحارث جزء الزبیدیؓ، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں ان سے ملا، اور میں نے کہا، میں ان سے سننا چاہتا ہوں۔ تو میرے والد نے مجھے اپنے کندھوں پر اٹھایا اور مجھے وہ حدیثیں سنائیں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں تو انہوں نے کہا،

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ''مصیبت زدہ کی مدد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین میں سمجھ حاصل کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے کافی ہو جائے گا اور اسے وہاں سے رزق دے جہاں سے اسے توقع بھی نہیں ہوگی''۔

(۱۰)'' روی ابو حنیفةؒ قال سمعت ابا معاویة عبداللّٰہ بن ابی اوفیٰؓ انه قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول من بنٰی مسجدا ولو قدر مفحص قطاة بنی اللّٰہ له بیتا فی الجنة''(۱۷)

ترجمہ: حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ''جس نے اللہ کی رضا کے لیے فاختہ کے گھونسلے کے برابر بھی مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا''۔

(۱۱)'' روی ابو حنیفةؒ قال سمعت عبداللّٰہ بن ابی اوفیٰؓ یقول قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم حبک الشیء یعمی ویصم والدال علی الخیر کفاعله والدال علی الشر کمثله، ان اللّٰہ یحب اغاثة اللهفان''(۱۸)

ترجمہ: حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ''کسی چیز کی محبت تجھے اندھا اور بہرا کر دے گی'' اور اچھائی کی طرف رہنمائی کرنے والا اس کے کرنے والے کی طرح ہے اور برائی کی طرف رہنمائی کرنے والا اس کے کرنے والے کی طرح ہے بیشک اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی دست گیری کو پسند فرماتا ہے''۔

(۱۲) روی ابو حنیفةؒ قال سمعت عائشة بنت عجردؓ قالت سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اکثر جند اللّٰہ فی الارض الجراد لا آکله والا احرمه''(۱۹)

ترجمہ: حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے بیان کیا، انہوں نے کہا میں نے حضرت عائشہ بنت عجردؓ کو فرماتے ہوئے سنا انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ''زمین میں اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا لشکر ٹڈیاں ہیں، نہ میں اسے کھاتا ہوں اور نہ ہی اس سے منع کرتا ہوں''۔

(۱۳)روی ابو حنیفةؒ قال سمعت واثلة بن الاسقعؓ قال سمعت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم انه قال لاتظهرن شماتة لاخیک فیعافیه اللّٰہ ویبتلیک''(۲۰)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

ترجمہ: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: میں نے واثلہ بن الاسقعؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''تو اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کر کہ کہیں اللہ تعالیٰ اسے عافیت دے کر تجھے مصیبت میں ڈال دے''۔

(۱۴)روی ابوحنیفة قال سمعت واثلة بن الاثقع قال سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال دع مایریبک الی مالایریبک''۔(۲۱)

ترجمہ: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت واثلہ بن اسقعؓ کو اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ''شک وشبہ کی چیزوں کو چھوڑ کر ان چیزوں کو اختیار کر جو شکوک وشبہات سے بالاتر ہیں''۔

(۱۵)روی ابوحنیفةؒ قال سمعت واثلة بن الاسقعؓ یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایظن احدکم انہ یتقرب الی اللّٰہ باقرب من ھذہ الرکعات یعنی الصلوات الخمس''۔(۲۲)

ترجمہ: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: میں نے واثلہ بن اسقع کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ وہ یہ رکعتیں یعنی پانچ نمازوں سے بڑھ کر کسی چیز سے خدا کے قریب تر ہوگا''۔

(۱۶)روی ابوحنیفةؒ عن عبداللہ بن ابی حبیبةؓ قال سمعت أبی الدرداءؓ یقول کنت ردف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یاأبی الدرداء من شھد ان لا الہ الا وانی رسول اللّٰہ مخلصا وجبت لہ الجنة فقال فقلت لہ وان زنی وان سرق؟ فسار ساعة ثم عاد لکلامہ قال فقلت لہ وان زنی وان سرق؟ فسار ساعة ثم عاد لکلامہ فقلت وان زنی وان سرق؟ فقال صلی اللّٰہ علیہ وسلم وان زنی وان سرق وان رغم انف أبی الدرداء۔(۲۳)

ترجمہ: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن ابی حبیبہؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا میں نے ابودرداءؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا تو آپ نے فرمایا، ابودرداء! جو شخص اخلاص کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں تو اس کے لیے جنت واجب ہوجاتی ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اگر چہ وہ زنا اور چوری بھی کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے پھر اپنے کلام کو دہرایا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چہ وہ زنا اور چوری بھی کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چہ وہ زنا اور چوری ہی کیوں نہ کرے اور اگر ابو درداء کی ناک خاک آلود ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت ابو درداءؓ ہر جمعہ کو اپنی انگلی کو اپنے ناک پر رکھ کر یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بیان فرماتے تھے اگر چہ وہ زنا اور چوری ہی کیوں نہ کرے اگر چہ ابو درداء کی ناک خاک آلود ہی کیوں نہ ہو۔

حوالہ جات:

(۱) کمالات امام ابوحنیفہ، ص ۱۷۰۔
(۲) اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ، ص ۲۴۔
(۳) اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ، ص ۲۵۔
(۴) المختار من مناقب الاخبار: ۳/۲۲۹۔
(۵) کتاب الاسامی والکنی: 4/175۔
(۶) کتاب الفہرس، ص 255۔
(۷) منازل الائمۃ الاربعۃ، ص 149۔
(۸) مسند الامام ابی حنیفۃ، ص 176۔
(۹) جامع المسانید للامام ابی حنیفۃ، ص 85۔
(۱۰) جامع المسانید للامام ابی حنیفۃ ص 85۔
(۱۱) التدوین فی اخبار قزوین ج 3 ص 261۔
(۱۲) مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ ص 36۔
(۱۳) جامع المسانید للامام ابی حنیفۃ ص 78۔
(۱۴) مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ ص 36-35۔
(۱۵) جامع المسانید لابی حنیفۃ ص 80۔
(۱۶) مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ ص 35۔
(۱۷) جامع المسانید للامام ابی حنیفۃ ص 82۔
(۱۸) المسند الطیالسی ص 62 رقم 461۔
(۱۹) جامع المسانید للامام ابی حنیفۃ ص 36۔
(۲۰) جامع المسانید للامام ابی حنیفۃ ص 86۔
(۲۱) مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ ص 31۔
(۲۲) مناقب امام الاعظم ابی حنیفۃ ص 36۔
(۲۳) کتاب الآثار ص 197 رقم 891۔

☆......☆......☆

دینی مدارس اور موجودہ حالات

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

بھارت میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کا سلسلہ مختلف بہانوں سے جاری ہے۔کبھی پردہ وحجاب کو نشانہ بنایا جاتا ہے،کبھی اذان اور مساجد کو……ان دنوں وہاں دینی مدارس نشانے پر ہیں۔وہاں بھی مختلف ٹیمیں دینی مدارس میں جارہی ہیں اور سروے فارم تقسیم کررہی ہیں۔یہ سب اسی عالمی ایجنڈے کا حصہ ہے جس کے تحت دینی مدارس کو ختم کرنا،کمزور کرنا اور انہیں بے اثر کرنا مقصود ہے۔ذیل انڈیا کے ممتاز عالم دین مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہم کی ایک تحریر شائع کی جارہی ہے جو نہ صرف اس پورے معاملے کا احاطہ کرتی ہے بلکہ انہوں نے چند مفید تجاویز بھی دی ہیں۔اس تحریر کو افادہ عام کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔(مدیر)

ہندوستان کی تاریخ میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام ہم وطنوں کے لئے بہت مشکل وقت وہ تھا،جب بادشاہوں، راجاؤں اور نوابوں کی حکومت ختم ہوئی اور برطانیہ نے اپنا پنجہء اقتدار گاڑنا شروع کردیا،۱۷۵۷ء میں انگریزوں کی توسیع پسندانہ تحریک شروع ہوئی اور بنگال اور میسور سے ہوتے ہوئے ۱۸۵۷ء میں دہلی پہنچی اور مغلیہ حکومت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ پوری طرح بجھا دیا گیا،۱۸۵۷ء کے بعد سے نوے سال یعنی ۱۹۴۷ء تک انگریزوں کے اقتدار کا سورج پوری آب وتاب کے ساتھ وطن عزیز کے طول وعرض پر چمکتا رہا؛اگرچہ ملک کے مختلف حصوں میں بعض ہندو راجاؤں اور مسلمان نوابوں کی مملکتیں ابھی بھی باقی تھیں؛لیکن عملاً ہر جگہ انگریزوں کا اقتدار قائم تھا،یہ حکومتیں انگریزوں کے غلام اور اہل وطن کے لئے آقا کا درجہ رکھتی تھیں۔

انگریزوں نے اقتدار کی مدت کو طویل تر کرنے،اپنے قبضہ کو مستحکم کرنے اور مستقل طور پر ہندوستان کو اپنے زیر قبضہ رکھنے کے لئے سیاسی غلبہ کے ساتھ ساتھ عیسائیت کی تبلیغ کی جدوجہد شروع کردی؛اگرچہ عیسائی مشنری کا نشانہ ہندو اور مسلمان دونوں تھے؛لیکن ہندوؤں کی پست اقوام میں ان کو زیادہ کامیابی حاصل ہوئی اور مسلمان ان کے عزم وارادہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گئے؛اس لئے انھوں نے اسلامی عقائد،پیغمبر اسلام علیہ السلام کی ذات والا صفات،اسلامی قوانین اور قانون شریعت کے مصادر قرآن وحدیث نیز مسلمانوں کی تاریخ کو خصوصی طور پر نشانہ بنایا اور حد یہ ہے کہ اس کام کے لئے دروغ گوئی کرنے،جھوٹ بولنے اور لکھنے میں بھی کسی تکلف سے کام نہیں لیا،مزید

ستم یہ ہوا کہ آریہ سماجی فرقہ نے بھی مسلمانوں کی مخالفت میں فکری اعتبار سے ان کی مدد کی، اب مسلمان ایک طرف انگریزوں سے نبرد آزما تھے اور دوسری طرف آریہ سماجیوں سے، اس صورت حال میں اللہ کے کچھ نیک بندوں نے ایک نسخہء کیمیا دریافت کیا، یہ نسخہ تھا حکومت کی مدد اور اس کے اثر سے آزاد دینی مدارس کا قیام، اُن کا احساس تھا کہ مدارس ایک ایسا فکری کارخانہ ثابت ہوں گے، جن سے تسلسل کے ساتھ تحفظ اسلام کے لئے افرادی قوت حاصل ہو سکے گی، جو اسلام کی ترجمانی اور دفاع کا فریضہ پوری قوت اور دینی غیرت وحمیت کے ساتھ انجام دیں گے اور حکومت کے اثر سے آزاد ہونے کی وجہ سے کوئی طاقت ان کے ضمیر کا سودا نہیں کر سکے گی، اسی جذبہ کے تحت دارالعلوم دیوبند اور مختلف مدارس کا قیام عمل میں آیا، اسی زمانہ میں جنوبی ہند میں باقیات الصالحات اور جامعہ نظامیہ کا قیام عمل میں آیا، اور چوں کہ اس کوشش کے پیچھے بھرپور اخلاص کا جذبہ کارفرما تھا؛ اس لئے یہ پودے تناور ہوتے گئے اور ہندوستان ہی نہیں ہندوستان سے باہر بھی اس کے اثرات محسوس کئے گئے۔

ان مدارس کے ذریعہ اس طویل وعریض ملک میں اسلامی تعلیمات کی حفاظت، مسلم معاشرہ کو دین سے مربوط رکھنے، گمراہ کن افکار سے ان کو بچانے، اسلام کے خلاف اٹھائے جانے والے شبہات واعتراضات کا دفاع جیسی ذمہ داریوں کو انجام دیا؛ چنانچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج اس ملک میں جو کچھ بھی اسلامی تشخصات نظر آتے ہیں، وہ ان ہی کوششوں کے اثرات ہیں، موجودہ حالات بعض جہتوں سے تقریباً اسی طرح ہیں جو برطانیہ کے غلبہ کے وقت پیدا ہوئے تھے، آج بھی اسلامی تشخصات کو نقصان پہنچانے کی سعی سیاسی پارٹی ہی نہیں بلکہ خود حکومت کی طرف سے اعلانیہ طور پر کی جا رہی ہے، مسجدوں کو صنم خانوں میں بدلنے کی منظّم کوشش ہو رہی ہے، اسلامی شعار کے خلاف آوازیں اٹھائی جا رہی ہیں، شہروں، محلوں اور سڑکوں کے نام تبدیل کئے جا رہے ہیں، ملک کی تاریخ از سرنو لکھی جا رہی ہے، افسوس کہ جس قوم نے ملک کی آزادی کے لئے سب سے زیادہ قربانیاں دیں، اُن سے وفاداری کا سرٹیفکیٹ مانگا جا رہا ہے، علماء ومدارس جو آزادی کی لڑائی میں پیش پیش تھے، ان کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کئے جا رہے ہیں، اور جن لوگوں کو آزادی کی لڑائی میں ایک کانٹا بھی نہیں چبھا، اُن کو ملک کا ہیرو قرار دیا جا رہا ہے؛ اس لئے یہ ایک حقیقت ہے کہ ماضی میں مدارس کی جو ضرورت واہمیت تھی، آج اس سے بڑھ کر ہے؛ اس لئے مدارس کا تحفظ، ان کا استحکام اور ان کو مفید تر بنانے کی کوشش پوری ملت اسلامیہ ہند کا فریضہ ہے۔

اس وقت ملک کی بعض ریاستوں میں مدارس کے سروے کے نام سے جو بات کہی جا رہی ہے، اس کا مقصد واضح طور پر مسلمانوں کو رسوا کرنا اور ان کو برادران وطن کی نظر میں مشکوک بنانا ہے، اگر حکومت جاننا چاہتی ہے کہ تعلیمی ادارے حکومت کے اصول وضوابط پر عمل پیرا ہیں یا نہیں؟ تو اس کو جاننے کی ضرورت صرف مدارس ہی کو نہیں ہے،

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

تمام تعلیمی اداروں میں ہے، چاہے وہ اکثریتی فرقہ کے تعلیمی مراکز ہوں یا اقلیتوں کے، اور اقلیتوں میں مسلمانوں کے ہوں یا سکھوں کے، عیسائیوں کے یا بدھسٹوں کے؛ بلکہ پرائیویٹ اداروں سے زیادہ سرکاری اداروں کا سروے کرنے اور جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ حکومت کے قواعد وضوابط کے مطابق اسکولوں کے لئے جو انفراسٹرکچر ہونا چاہئے وہ مہیا ہے یا نہیں؟ اور اس سلسلہ میں حکومت کا بھی احتساب ہونا چاہئے، صرف مسلمانوں کے تعلیمی اداروں یا دینی مدرسوں کا سروے مسلمانوں کے خلاف شکوک وشبہات کا موقع پیدا کرتا ہے، اور اس وقت نفرت کی جو آندھی آئی ہوئی ہے، یا لائی جا رہی ہے، اس میں اضافہ کا سبب بن رہا ہے؛ اس لئے مسلمانوں اور مسلم جماعتوں اور تنظیموں کو قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ اس کے خلاف آواز بلند کرنی چاہئے؛ کیوں کہ آزاد مدارس مسلمانوں کا اپنا اثاثہ ہیں، اس کی زمین، اس کی عمارت، اس کا فرنیچر، اس کی لائبریری وغیرہ میں حکومت کا کچھ نہیں ہے، یہ مذہبی اوقاف کے درجہ میں ہے، اگر کوئی بات قابل تحقیق ہو تو اس کی تحقیق تو کی جا سکتی ہے؛ لیکن سروے کے نام سے ان کو خوفزدہ کرنا یا مدرسہ کی املاک کو اپنی تحویل میں لے لینا سراسر ظلم وزیادتی ہے؛ اس لئے ایک طرف ہمیں حکومت کے اس اقدام کی مزاحمت بھی کرنی چاہئے دوسری طرف ہمیں مناسب تدبیریں بھی اختیار کرنی چاہئیں، اس وقت ان ہی تدابیر کے بارے میں چند نکات پیش خدمت ہیں:

ا۔الف:......قانونی جہت سے جو کوتاہیاں ہوں، ان کو دور کرنا ضروری ہے، ہندوستان میں عام مزاج یہ ہے کہ اگر کمرشیل بلڈنگ نہ ہو تو تعمیر کی باضابطہ اجازت حاصل نہیں کی جاتی، مسجد ہو یا مندر، چرچ ہو یا گرودوارہ، اور ان کے تحت چلنے والے تعلیمی ادارے، ان کی تعمیری اجازت لینے کا اہتمام نہیں کیا جاتا، اب یہ ضروری ہے کہ دینی مدارس تعمیر سے پہلے نقشہ پیش کر کے ادارہ مجاز سے اس کی باضابطہ اجازت حاصل کریں، اور اگر عمارت بن چکی ہے تو ضابطہ کے مطابق جرمانہ ادا کر کے اس کی توثیق کرائیں، یہ عمارت بچانے کا کام ہے، جس کی اہمیت عمارت بنانے سے زیادہ ہے؛ اس لئے اس کو فضول اور بے کار نہ سمجھا جائے۔

ب:......قانونی جہت سے دوسرا اہم کام حسابات کو حکومت کے مقرر کئے ہوئے اصل وضوابط کے مطابق لکھنا اور محفوظ رکھنا ہے، بحمد اللہ مدارس میں جو بھی آمدنی ہوتی ہے اور جو کچھ خرچ ہوتا ہے، اس میں پوری دیانت کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اور حساب وکتاب میں پوری احتیاط برتی جاتی ہے؛ لیکن رقم کی وصولی اور خرچ کے لئے کسی چارٹرا کاؤنٹنٹ کی ہدایت کے مطابق حسابات کو لکھنا چاہئے، مقررہ ضابطوں پر عمل ہونا چاہئے، پوری شفافیت کے ساتھ حسابات کا آڈٹ کرانا چاہئے اور حساب اس طرح رکھنا چاہئے کہ دیکھنے والے بھی مطمئن ہوں اور اپنے ضمیر کو بھی اطمینان ہو۔

ج:......قانونی جہت سے کرنے کا ایک کام یہ بھی ہے کہ ہر ادارہ اپنے لئے ایک مشیر قانونی مقرر کرے، جو ٹیکس

کے شعبہ سے تعلق رکھنے والا وکیل ہو تو زیادہ بہتر ہے، وہ مدرسہ کی املاک اور آمد وصرف پر گہرائی کے ساتھ نظر رکھے اور بوقت ضرورت سرکاری محکموں میں حسابات کو پیش کرے، اس میں ایک شخص کی تنخواہ تو بڑھ جائے گی؛ لیکن نظم وضبط قائم رکھنے میں مدد ملے گی، اور مدارس کا تحفظ ہوگا، جو ذمہ داران مدارس حساب وکتاب کے فن سے واقف نہیں ہیں، نہ ٹرسٹ یا سوسائٹی وغیرہ کے اصولوں سے آگاہ ہیں، وہ نہ عوام کو مطمئن کر پاتے ہیں، نہ سرکاری محکموں کو، اور وہ دوہری دشواری اور شرمندگی سے دو چار ہوتے ہیں؛ اس لئے جہاں دیگر عہدہ دار ہوتے ہیں، ایک عہدہ ''مشیر قانونی'' کا ہونا چاہئے خواہ وہ اعزازی طور پر طور پر کام کرے یا ان کو اس کی فیس ادا کرنی پڑے۔

ج:.....مسلمانوں کو دستور نے جو اپنی پسند کے علمی ادارے قائم کرنے کی آزادی دی ہے، اس کے تحت مدارس کا رجسٹریشن ضروری نہیں ہے؛ مگر رجسٹریشن سے متعدد فائدے ہیں، اور ایک اہم بات یہ ہے کہ اس سے بے جا شکوک وشبہات کا سد باب بھی ہوتا ہے؛ اسی لئے اگر ٹرسٹ یا سوسائٹی کے تحت مدارس کا جسٹریشن کرلیا جائے تو یہ بہتر شکل ہوگی، رجسٹریشن ٹرسٹ کے تحت ہو یا سوسائٹی کے تحت، اس کے لئے قانون دانوں سے مشورہ کر لینا چاہئے، اور اگر سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹریشن کرایا گیا ہو تو پھر مقررہ وقت پر اس کی تجدید بھی ضرور ہی کرنی چاہئے۔

۲۔قانونی جہتوں کی تکمیل کے بعد دوسرا ضروری کام ہے مدارس کے اندرونی نظام کی اصلاح، اس پر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، اس سے متعلق چند اہم نکات یہ ہیں:

الف:......مدرسہ شخصی نہ ہو؛ بلکہ ایک رجسٹرڈ انتظامیہ کے تحت ہو، یہ تو ہوسکتا ہے کہ انتظامیہ ہم مزاج لوگوں پر مشتمل ہو؛ تاکہ اختلاف وانتشار سے محفوظ رہے؛ لیکن یہ نہ ہو کہ ادارہ ایک شخص کی ملکیت بن کر رہ جائے، اس سلسلے میں بڑی کوتاہی ہوتی ہے، یہاں تک کہ بعض مدارس میں ایسا بھی ہوا کہ ذمہ دار ادارہ کی وفات کے بعد ان کے ورثہ نے مدرسہ کی املاک پر ملکیت کا دعویٰ کر دیا اور ادارہ ایک بڑے انتشار کا شکار ہو گیا، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کے لئے جو اُصول مقرر کئے، اس میں بھی شورائیت کو بڑی اہمیت دی گئی؛ لیکن اب ہمارے بیشتر مدارس شخصی آمریت کا نمونہ بن گئے ہیں، جس میں نہ کوئی مجلس انتظامی ہے اور نہ اہم امور پر مشورہ کا کوئی نظام، یہ بہت افسوسناک بات ہے اور حضور علیہ السلام کی سنت کے بھی خلاف ہے۔

ب:......مدارس کی رہائش اور خورونوش کے انتظام میں بھی اصلاح کی بہت ضرورت ہے، طلبہ کی تعداد بڑھانے اور عمارتوں کی چکا چوند دکھانے سے زیادہ ہمیں طلبہ کی رہائش اور کھانے پینے کے نظام کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہئے، یہ تو ظاہر ہے کہ مدارس عوامی چندوں سے چلتے ہیں، یہ کمرشیل ادارے نہیں ہیں، اکثر کچھ بڑے مدارس کو چھوڑ کر مقروض رہتے ہیں؛ اس لئے اس میں کھانے پینے اور رہنے سہنے کے معیار کو ایک حد تک ہی بہتر بنایا جاسکتا ہے؛

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

لیکن جتنا کیا جا سکتا ہو اتنا ضرور کرنا چاہئے، طلبہ کے لئے چارپائی یا تخت کا انتظام، کمروں کی وسعت اتنی ہو کہ بچے آرام سے رہ سکیں، روشنی اور پنکھے کا مناسب انتظام، پینے کے لئے صاف ستھرا پانی، کھیل کے لئے میدان، طبعی ضروریات کے لئے مناسب سہولت اور صفائی کا نظم، کھانے میں بہتری کی کوشش، جو اشیاء پکائی جائیں وہ سڑی گلی مضر صحت نہ ہوں، یہ سب بنیادی ضرورتیں ہیں، ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، طلبہ کی لازمی ضروریات میں ان کی تعلیم کے مناسب حال کتب خانہ بھی شامل ہے، یہ بھی ضروری ہے کہ اساتذہ اور ذمہ داروں کا طلبہ کے ساتھ طرز تخاطب بہتر اور مشفقانہ ہو۔

ج:......مدارس میں حفاظتی انتظام کے لئے بھی بہتر اقدام کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں دو باتیں بہت اہم ہیں: اول یہ کہ مدرسہ کے گیٹ پر چوبیس گھنٹے دربان کا انتظام ہو، جو باہر سے آنے اور جانے والوں کا ریکارڈ رکھے، دوسرے: سی سی کیمرے کا ایسا انتظام ہو کہ پورے مدرسہ کا احاطہ کرتا ہو، اس میں باب الداخلہ، دفاتر، مسجد، کلاس رومس اور راستے سب شامل ہیں؛ تاکہ اگر کسی طالب علم یا کارکن کی تفتیش مطلوب ہو یا پولیس اس کے بارے میں جاننا چاہے تو اس کا ریکارڈ مہیا کیا جا سکے، یہ قانونی طور پر ضروری ہے، اس کے علاوہ یہ کیمرہ چوروں، اُچکوں اور غیر سماجی لوگوں سے بھی تحفظ کا بھی ذریعہ بنے گا، ہر انسان کے لئے اپنی طاقت واستطاعت کے مطابق اپنی جان، املاک اور عزت وآبرو کی حفاظت ضروری ہے؛ اس لئے حفاظتی تدابیر پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔

۳۔ مدارس کا بنیادی مقصد تعلیم اور تربیت ہے، تعلیم کے ذریعہ اسلامی علوم کی آگہی حاصل ہوتی ہے اور تربیت کے ذریعہ اس پر عمل کی مشق کرائی جاتی ہے، یہ دونوں باتیں بہت ضروری ہیں، مدارس میں اصل توجہ ان ہی دو باتوں پر ہونی چاہئے، اس کے لئے ضروری ہے کہ:

الف:......ہر مضمون کی تعلیم کے لئے اس میں مہارت رکھنے والا استاذ مقرر کیا جائے۔

ب:......مدارس میں اساتذہ کی تدریسی تربیت کا عمومی طور پر کوئی انتظام نہیں ہوتا؛ حالاں کہ تدریس ایک اہم فن ہے اور مسلمانوں نے اس فن میں بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں، علامہ ابن خلدونؒ کو اس فن کے مو؟سسین میں سمجھا جاتا ہے؛ اس لئے ضروری ہے کہ بڑے مدارس تدریسی تربیت کا کورس شروع کریں، جس میں طلبہ کی نفسیات، تعلیم کا طریقہ، کلاس کا ماحول، تعلیمی نفسیات وغیرہ پر تربیت دی جائے، اگر باضابطہ دوسالہ کورس دشوار ہو تو کم از کم اساتذہ؟ مدارس کے لئے دس روزہ ورکشاپ رکھا جائے، جس میں مدرسہ کے تجربہ کار ماہر اساتذہ کے علاوہ فنی ماہرین کو بھی دعوت دی جائے۔

ج:......مدارس میں عام طور پر تدریس بھی اسی طرح ہوتی ہے، جیسے جلسوں میں تقریر کی جاتی ہے، طالب علم کو

مضامین درس کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کوئی تدبیر اختیار نہیں کی جاتی اور جو تفہیم کے جدید وسائل ہیں، ان سے بھی فائدہ اٹھایا نہیں جاتا، جیسے: بلیک بورڈ، کمپیوٹر، پروجیکٹر وغیرہ، ان کا استعمال سیکھنا بھی چاہئے اور کرنا بھی چاہئے؛ کیوں کہ یہ صرف ایک ذریعہ ہے، مقصد تعلیم و تربیت ہے، یہ ایک فطری بات ہے کہ انسان پر سمعی وسائل سے زیادہ بصری وسائل کا اثر پڑتا ہے؛ لیکن مدارس روایتی طور پر سمعی وسائل ہی پر اکتفا کرتے ہیں، اس کی وجہ سے تفہیم مشکل ہو جاتی ہے اور ذہن پر زیادہ زور پڑتا ہے۔

د:……تعلیم میں بہت بڑی ضرورت ہے نصاب میں حذف و اضافہ کی، تعلیم کا مقصد طالب علم کو اس کی اپنی ضروریات، اس کے مخاطب کی ضروریات اور اس کے عہد کے مسائل سے واقف کرانا ہے، اگر تعلیم طالب علم کو اپنے عہد کی ترقیات سے بے تعلق کردے تو وہ لوگوں پر اپنا اثر نہیں چھوڑ سکتی؛ اس لئے موجودہ دور میں انگریزی زبان، مقامی زبان، کمپیوٹر، اپنے ملک کی تاریخ اور اپنے دور کی عام معلومات سے واقف ہونا ضروری ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس مل کر عصری تعلیم کے لئے اپنا ایک نصاب تیار کریں، جو مدارس کے مزاج سے ہم آہنگ ہوں، جس سے صرف دنیا کی ہی معلومات حاصل نہ ہوں؛ بلکہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں بھی مدد ملے۔

۴۔ مدارس میں ایک اہم ضرورت فکری تربیت کی ہے، فکری تربیت سے مراد یہ ہے کہ وہ آج کے دور میں اسلام کی ترجمانی کا فریضہ انجام دے سکیں، مدارس میں ایک مضمون ادیان و مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا ہو، سترہویں صدی کے بعد مادیت پرستی پر مبنی جو افکار سامنے آئے ہیں، ان سے انہیں واقف کرایا جائے، خود اسلامی فرقوں کے سلسلے میں ان میں اعتدال پیدا کیا جائے؛ تاکہ وہ دانستہ یا نادانستہ دشمنانِ اسلام کا آلہ کار بن کر مسلمانوں میں اختلاف کو بڑھانے اور انتشار کو پھیلانے کا ذریعہ نہ بن جائیں، جب تک یہ تربیت نہیں ہوگی، مدارس کے فضلاء موجودہ دور کی ضرورت کے لحاظ سے اسلام کی دعوت اور اس کے دفاع کا فریضہ انجام دینے اور مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے کے لائق نہیں ہوسکیں گے، اور فکری تربیت سے محرومی کی بنا پر الٹے اُمت میں انتشار و اختلاف کو ہوا دیتے رہیں گے۔

بہر حال ایک طرف ہمارا فریضہ ہے کہ حکومت کی طرف سے دینی تعلیم گاہوں کے خلاف کئے جانے والے امتیازی سلوک کی پوری قوت و حکمت کے ساتھ مزاحمت کریں؛ کیوں کہ یہ دستور میں دیئے گئے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے، اور دوسری طرف خود مدارس کے نظام میں جو اصلاحات کی ضرورت ہے، پوری فراخدلی اور وسعت نظری کے ساتھ ان پر توجہ دیں اور نظام تعلیم و تربیت اور انتظام و انصرام کو مفید تر بنائیں!!!۔

☆……☆……☆

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

ٹرانس جینڈر ایکٹ......غضب الٰہی کو دعوت دینے والا قانون

محمد احمد حافظ

مغرب میں یہ بات عام ہے کہ وہاں کوئی مرد یا عورت اپنی صنف تبدیل کرانا چاہے تو اسے اس بات کی کھلی چھوٹ ہے۔یعنی قدرت نے اسے مرد پیدا کیا ہے اور وہ اپنی صنفی حیثیت پہ مطمئن نہیں ہے تو وہ سرجیکل ٹریٹمنٹ کے بعد سرکاری کاغذات میں اپنی جنس تبدیل کراکے عورت بن سکتا ہے۔اس کی بنیاد مغرب کا وہ عقیدہ ہے جسے آزادی (Freedom) کہا جاتا ہے۔اہل مغرب کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ انسان آزاد ہے،وہ جو چاہنا چاہے چاہ سکتا ہے،اس کے ذاتی فعل پر کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔عورت مردوں والا لباس پہن کر گھومے پھرے یا مرد عورتوں کا لباس پہنے انہیں ایسا کرنے سے روکا نہیں جاسکتا۔اسی عقیدہ آزادی کے تحت اہل مغرب کی فطرت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور اس سے بغاوت اب ایک عمومی رویہ بن چکا ہے۔یہ انسانوں کی چوتھی جنس کہلائی جاسکتی ہے۔مغرب میں انہیں ٹرانس جینڈر (Transgenders)''ماورائے صنف فرد'' کا نام دیا گیا ہے۔

اس مسئلے کو جانچنے کے لیے تھوڑی تفصیل ضروری ہے۔ایک 'زنخا' یا 'اختہ' کو انگریزی میں Eunuch کہتے ہیں۔یہ لوگ مردانہ جنسی اعضا کے ساتھ پیدا ہوئے،مگر بلوغت سے پہلے جنسی اعضا کو خصی کردیا، یا کٹوا ڈالتے ہیں۔اور Hermaphrodite پیدائشی طور پر جدا صفات کا حامل ہوتا ہے،جس میں دونوں اصناف کی مرکب علامات پائی جاتی ہیں،اور یہ بہت نایاب قسم ہے۔جب کہ 'ماورائے صنف' (Transgender) کا مطلب ہے:

''وہ افراد جو پیدائشی طور پر جنسی اعضا یا علامات کے اعتبار سے مرد یا عورت کی مکمل صفات رکھتے ہیں،مگر بعد میں کسی مرحلے پر مرد اپنے آپ کو عورت اور عورت اپنے آپ کو مرد بنانے کی خواہش میں،ان جیسی عادات واطوار اور لباس اختیار کرلیتے ہیں اور پھر تبدیلی کے لیے ڈاکٹروں کی مدد بھی حاصل کرتے ہیں۔موجودہ زمانے میں تو ڈاکٹر،مرد کو عورت کے اور عورت کو مرد کے ہارمونز بھی کچھ عرصے کے لیے استعمال کراتے ہیں۔کچھ مزید آگے بڑھ کر پلاسٹک سرجری سے نسوانی ساخت تک بناتے ہیں۔اسی طرح مردانہ ہارمونز کے ذریعے عورت کی جسمانی ساخت وخصوصیات میں تبدیلیاں رُونما ہوتی ہیں۔اس سے نہ تو مرد میں عورت کی پوری استعداد پیدا ہوتی ہے کہ ان کے ہاں بچّے پیدا ہونے لگیں اور نہ عورت میں مرد کی سی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔مغرب میں اس شغل کا خاصا رواج ہے۔

پاکستان میں ان دنوں ٹرانس جینڈرز کے حوالے سے گفتگو عام ہے۔ یہاں بھی چوتھی صنف کو رواج دینے کی کوشش کی جارہی ہے جو عورت ہے نہ مرد نہ خنثیٰ۔ گزشتہ ماہ ایک ایسا بل سامنے آیا جو قانون بن کر لاگو بھی ہو چکا ہے، جس کے تحت ہوش رُبا سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اب تک ہزاروں افراد اپنی جنس تبدیل کروا چکے ہیں۔ اور اس تبدیلی کا نادرا میں اندراج بھی کروایا ہے۔

پہلے یہ قانون ایک بل کی شکل میں ۲۰۱۸ء کو سینیٹ آف پاکستان نے منظور کیا تھا، جسے مبینہ طور پر چار سینیٹروں: روبینہ خالد (پیپلز پارٹی، خیبر پختونخوا)، روبینہ عرفان (مسلم لیگ، ق، بلوچستان)، کلثوم پروین (مسلم لیگ، ن، بلوچستان) اور سینیٹر مسٹر کریم احمد خواجہ (پیپلز پارٹی، سندھ) نے پیش کیا تھا۔ ہر قانون کی طرح بظاہر یہ بل بھی 'تحفظِ حقوق' کے نام پر پیش کیا گیا، لیکن اس کے پیچھے (Lesbians, Gays, Bisexual and Transgender) LGBT نامی عالمی تنظیم کا ایجنڈا تھا۔ سینیٹ نے ٹرانس جینڈر کے حقوق کے بارے میں بل پاس کیا۔ پھر مئی ۲۰۱۸ء میں اسے قومی اسمبلی نے منظور کر کے صدر پاکستان ممنون حسین کو بھیج دیا، جنھوں نے ۱۸ مئی ۲۰۱۸ء کو دستخط کر کے ایکٹ (قانون) بنا دیا۔

'تحفظِ حقوقِ ماورائے صنف (Transgenders) قانون' کی دفعہ ۳ میں کہا گیا ہے:

''(۱) ایک 'ماورائے صنف شخص' کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اُسے اس کے اپنے خیال یا گمان یا زعم (Perceived Self) کے مطابق خواجہ سرا تسلیم کیا جائے''۔ یعنی اس سے قطع نظر کہ وہ پیدائشی طور پر مردانہ خصوصیات کا حامل تھا یا زنانہ علامات کا؟ وہ اپنے بارے میں جیسا گمان کرے یا وہ جیسا بننا چاہے، اس کے اس دعوے کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

پھر ذیلی سیکشن ۲ میں کہا گیا ہے کہ 'نادرا' [قومی رجسٹریشن اتھارٹی] سمیت تمام سرکاری محکموں کو ''اس کے اپنے دعوے کے مطابق اُسے مرد یا عورت تسلیم کرنا ہوگا، اور اپنی طے کردہ جنس کے مطابق اُسے 'نادرا' سے قومی شناختی کارڈ، ڈرائیونگ لائسنس، چلڈرن رجسٹریشن سرٹیفکیٹ وغیرہ کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی''۔

اس قانون کی یہ شق مغرب میں 'ایل جی بی ٹی گروپ' کے مقاصد کی تکمیل کا سبب بنتی ہے۔ 'تحفظِ حقوقِ ماورائے صنف قانون' کے نام پر یہی وہ ہم جنس پرستی کے تحفظ کی کھڑکی ہے جہاں سے نقب لگائی جاسکتی ہے۔

اس بل کی پرزور حمایت اور اس کے حق میں فضا بنانے میں سابقہ دور کی وزیر انسانی حقوق شیریں مزاری نے اہم کردار ادا کیا۔ شیریں مزاری نے اسلام آباد میں جنس کی تبدیلی کے لیے ٹرانس پروٹیکشن سینٹر کا افتتاح بھی کیا۔

زیر بحث قانون میں تبدیلی جنس کے خواہش مند کو کسی بھی طرح کے طبی معائنے کی چھوٹ دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قانون کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی بھی مرد خود کو عورت ظاہر کر کے اپنی قانونی شناخت تبدیل

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

کرواسکتا ہے، اس صورت میں اگر وہ کسی مرد سے شادی کرلے تو قانون اسے تحفظ فراہم کرے گا۔ اسی طرح عورت خود کو مرد کے طور پر ڈکلیئر کرالے تو اسے بھی تحفظ فراہم ہوگا۔ یہ سیدھا سیدھا ہم جنس پرستی کو تحفظ فراہم کرنے کا شاخسانہ ہے۔ اس عمل کی سنگینی اور شناعت کے لیے کسی طرح کے پیرائے کی ضرورت نہیں۔ مگر این جی اوز کے فنڈز پر پلنے والے حلقے ایک تسلسل سے خوبی بنا کر پیش کررہے ہیں۔

یہ قانون محض ایک فرد کو متاثر نہیں کررہا بلکہ ...... حدود اللہ، قانون وراثت، محرمات دینیہ، خواتین کے حقوق اور معاشرتی حرکیات کو متاثر کررہا ہے۔ معاشرے کا بنیادی ادارہ ''خاندان'' بطورِ خاص اس کی زد میں آرہا ہے۔

جنس میں اپنی خواہش کے مطابق تبدیلی کرانا ایسا فعل ہے جس پر قوموں پر اللہ تعالیٰ کے عذاب آتے ہیں۔ ایک تو یہ فعل انتہائی گھٹیا ہے، پھر اس فعل شنیع کے تحفظ کے لیے قانون سازی کرنا ...... اسے ظلمات بعضھا فوق بعض اور عذاب الٰہی کو دعوت دینے کا سبب نہ قرار دیا جائے تو کیا کہا جائے؟!۔

دیکھیے قرآن مجید اس بارے ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے۔ تبدیلی جنس کے اس فعل کو قرآن کریم نے 'تغییرِ خلق' سے تعبیر کیا ہے۔ جب ازراہِ تکبر وحسد ابلیس نے سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا، اللہ تعالیٰ نے اسے راندہ درگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِيْمٌ oوَاِنَّ عَلَيْکَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِo (الحجر: ۳۴،۳۵)

''تو جنت سے نکل جا، بے شک تو راندہ درگاہ ہے اور بے شک تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔''

شیطان نے قسم کھاتے ہوئے کہا:

وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِکَ نَصِيْباً مَّفْرُوْضًا oوَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّکُنَّ آذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ (النساء: ۱۱۸،۱۱۹)

''میں تیرے بندوں میں سے ایک معیّن حصہ ضرور لوں گا، ان کو لازماً گمراہ کروں گا، ان کو ضرور (جھوٹی) آرزوؤں کے جال میں پھنساؤں گا، انھیں ضرور حکم دوں گا تو وہ چوپایوں کے کان کاٹیں گے اور انھیں لازماً حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت کو بگاڑ دیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو حکم فرمایا تھا:

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (الروم: ۳۰)

(اے لوگو!) اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی اس خلقت پر قائم رکھو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔''

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

قدرتی طور پر کسی کا مخنث یا ہیجڑا پیدا ہونا اُس فرد کا ذاتی عیب نہیں ہے۔اس بنا پر نہ اُسے حقیر سمجھنا چاہیے اور نہ اُسے ملامت کرنا چاہیے، کیونکہ ملامت کا جواز اس ناروا فعل پر ہوتا ہے کہ جس کا ارتکاب کوئی اپنے اختیار سے کرے اور جسے ترک کرنے پر اُسے پوری قدرت حاصل ہو۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّاوُسْعَھَا لَھَا مَاکَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَاکْتَسَبَتْ (البقرہ:۲۸۶)

''اللہ کسی جان پر اُس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا، اُس کے لیے اپنے کیے ہوئے ہر (نیک) عمل کی جزا ہے اور ہر (بُرے) عمل کی سزا ہے''۔

جیسا کہ سطورِ بالا میں بیان کیا گیا ہے، مغرب میں 'ماورائے صنف' (Transgender) اپنی مرضی سے جنس تبدیل کرتے ہیں۔جس جنس پر اُن کی تخلیق ہوئی ہے، مصنوعی طریقوں سے اُسے بدل دیتے ہیں، پھر آپس میں اختلاط کرتے اور فعل بدانجام دیتے ہیں۔اس پر جو عذاب الٰہی آیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی پوری پوری آگاہی دی ہے ،اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے بارے میں فرمایا:

وَلُوْطاً اِذْقَالَ لِقَوْمِہٖ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَاسَبَقَکُمْ بِھَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِیْنَo اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَھْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَاءِ ج بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَo (الاعراف:۸۰،۸۱)

''اور لوط کو یاد کرو جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کی تھی، بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس نفسانی خواہش کے لیے آتے ہو، بلکہ تم (حیوانوں) کی حد سے (بھی) تجاوز کرنے والے ہو''۔

ایسے لوگوں کا انجام کیا ہوا؟ وہ بھی بتایا اور باور کرایا کہ تم میں سے بھی جو کوئی قوم اس فعل بد میں مبتلا ہوگی اس کا بھی یہی حال ہو سکتا ہے۔ارشاد فرمایا:

وَاَمْطَرْنَاعَلَیْھِمْ مَّطَراً صلے فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَo (الاعراف:۸۴)

''اور ہم نے اُن پر زوردار مینہ برسایا، سو دیکھو مجرموں کا کیسا انجام ہوا''۔

فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَاعَالِیَھَا سَافِلَھَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ o مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّکَ وَمَاھِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍo (ہود:۸۲،۸۳)

''پس جب ہمارا عذاب آپہنچا تو ہم نے اس بستی کا اوپر والا حصہ نیچے والا بنا دیا اور ہم نے ان کے اوپر لگاتار پتھر کے کنکر برسائے جو آپ کے ربّ کی طرف سے نشان زدہ تھے اور یہ سزا ظالموں سے کچھ دور نہ تھی''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

ان اخوف مااخاف علیٰ امتی عمل قوم لوط

’’مجھے اپنی امت کی بربادی کا جس چیز سے زیادہ خوف ہے، وہ قومِ لوط کا عمل ہے‘‘۔(سنن ترمذی وابن ماجہ)

ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ یہ مرض قوم کے اندر سرطان کی طرح پھیل چکا ہے۔فحاشی وبدکاری ،مردوں کا مردوں سے؛عورتوں کا عورتوں سے حظ اٹھانا جڑ پکڑ چکا ہے۔فحاشی وبدکاری علانیہ ہونے لگی ہے۔اس پر بھی زبانِ نبوت سے وعید سن لیجیے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لم یظھر الفاحشۃ فی قوم حتیٰ یعلنوا بھاالامشیٰ فیھم الطاعون والاوجاع التی لم تکن مضت فی اسلافھم الذین مضوا(رواہ ابن ماجہ)

’’جب کسی قوم میں فحاشی اور عریانی ظاہر ہوجائے اور وہ اس کو علانیہ کرنے لگے تو ان میں طاعون کی بیماری پھیل جائے گی اور ایسی ایسی بیماریاں پیدا ہوں گی جو ان کے آباءواجداد میں نہ تھیں۔‘‘

معاشرے میں جو مہلک اخلاقی بیماریاں جنم لے چکی ہیں ان پر علماء وخطباء اور داعیانِ دین کو کھل کر نکیر کرنے کی ضرورت ہے۔یہ منکرات جن خفیہ وعلانیہ راستوں اور کونوں کھدروں سے ابل ابل کر آرہے ہیں اور معاشرے کو متعفن کررہے ہیں ان کی نشاندہی اور ان کے سدباب کی بھی ضرورت ہے۔پاکستان میں کتنے ہی قوانین صریحا قرآن وسنت سے متصادم ہیں۔خاندانی نظام تباہ کرنے والے قوانین یہاں پاس ہوچکے ہیں۔سود جیسی لعنت ......جس پر وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ موجود ہے؛ہماری معیشت کی روح بن چکی ہے۔

قوم کی بداعمالیوں پر خاموشی،اغماض واعراض خود ہمارے لیے باعث ہلاکت ہوسکتی ہے۔دیکھیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کس غضبناک انداز میں وعید سنائی ہے۔ارشاد فرمایا ہے:

اَفَاَمِنَ اَھلُ القُریٰ اَنْ یَّاْتِیَھُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًاوَّھُمْ نَائِمُوْن o اَوَاَمِنَ اَھلُ القُریٰ اَنْ یَّاْتِیَھُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّھُمْ یَلْعَبُوْنَo اَفَاَمِنُوْا مَکْرَاللّٰہِ فَلَایَاْمَنُ مَکْرَاللّٰہِ اِلَّاالْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَo(الاعراف:۹۷،۹۸)

’’کیا پھر بھی ان بستیوں کے باسی اس بات سے بے فکر ہوگئے ہیں کہ ان پر عذاب دن چڑھے آپڑے،جس وقت کہ وہ اپنے کھیلوں میں مشغول ہوں؟ کیا پھر وہ اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہوگئے ہیں؟ سو اللہ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت آگئی ہو؛اور کوئی بے خوف نہیں ہوتے۔‘‘

ابھی حال میں پاکستان میں بارشوں اور سیلاب کا جو عذاب آیا ہے؛اسے اس تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے،اللہ تعالیٰ ہمیں انفرادی واجتماعی سطح پر توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ کی توفیق عطا فرمائے،آمین۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

جدید ٹیکنالوجی/ نقصانات اور علاج

مولانا مفتی قیام الدین قاسمی سیتامڑھی

ہماری زندگی میں ٹیکنالوجی کا استعمال جیسے جیسے بڑھتا جارہا ہے ویسے ویسے ہماری لت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، اور اگر ہم نے ٹیکنالوجی کے غلط استعمال کی لت کی وجوہات کا تجزیہ کرلیا تو سمجھیے ہم اگلے چار پانچ سو سال کی پلاننگ آرام سے کرسکتے ہیں؛ کیوں کہ فی الحال ہماری زندگی کے اکثر حصوں پر ٹیکنالوجی قابض ہے اور آگے چل کر یہ تناسب ننانوے کے آنکڑے کو آرام سے پار کر جائے گا۔

ہم ان کی زندگی کو سب سے پہلے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں ''اسکرینی زندگی'' اور ''حقیقی زندگی''۔

اسکرینی زندگی سے مراد جہاں وہ موبائل، ٹیبلیٹ یا لیپ ٹاپ کی اسکرین کا استعمال کرتا ہے۔

اب اسکرینی زندگی میں آدمی عموماً ان عادتوں میں مشغول ہوتا ہے:

۱۔سوشل میڈیا: ہارورڈ یونیورسٹی کے ریسرچر ٹریور ہائینس کے مطابق دماغ میں ایک ترسیلاتی کیمیکل ہے (ڈوپامین dopamine) جو بہت زیادہ خوشی کے وقت ریلیز ہوتا اور نکلتا ہے جس کا تعلق بنیادی طور پر کھانے، ایکسرسائز، محبت، مجامعت، ڈکیتی اور ڈرگ سے تھا، مگر اس لسٹ میں سوشل میڈیا بھی شامل ہوگیا ہے، یعنی سوشل میڈیا پر ایک لائک ملنے کے بعد اتنا ہی ڈوپامین نکلتا ہے جتنا کہ ڈرگ لینے کے بعد اور اسی لیے یہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ انسان کو سوشل میڈیا کی لت لگ گئی ہے اور چوں کہ یہ لت ایسی ہے جسے سماج میں برا بھی نہیں مانا جاتا اور جس کا حصول بھی محض انگلیوں کی حرکت پر موقوف ہے؛ اس لیے یہ شراب اور ڈرگ سے بھی بری عادت بن جاتی ہے، نیز statista کی رپورٹ کے مطابق ساڑھے تین بلین (ساڑھے تین ارب لوگ میٹا (فیس بک) کے پروڈکٹس مثلا واٹس ایپ، فیس بک میسنجر، انسٹاگرام میں سے کوئی نہ کوئی پلیٹ فارم استعمال کرتے ہیں اور ساڑھے تین سو ملین (30 کروڑ) یوزرز کے ساتھ ہندوستان سب سے زیادہ فیس بک استعمال کرنے والا ملک ہے اور نوجوانوں میں سب سے زیادہ پاپولر ایپ انسٹاگرام پر بھی 192 (تقریبا بیس کروڑ) ملین یوزرز کے ساتھ انڈیا ہی نمبر ایک پر ہے۔

۲۔ویڈیوز دیکھنا: مثلا انسٹاگرام کی ریلیز، یوٹیوب ویڈیوز یا نیٹ فلیکس پر موویز اور ویب سیریز دیکھنا۔

۳۔کنٹینٹ میکنگ مثلاً ٹک ٹاک پر (لپ سنکنگ syncing lip) ہونٹوں کو ڈائلاگ یا گانے کے بول کے

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مطابق کر کے ویڈیوز بنانا جس کا مطلب ہے خود جس قابل نہیں ہے اس قابل ہونے کی ایکٹنگ کرنا اسی طرح انٹرٹینمنٹ کے دوسرے طریقے مثلاً میمز اور کامیڈی بنانا۔

۴۔ پورن

۵۔ گیم کھیلنا، مثلاً پب جی اور فری فائر وغیرہ۔

رئیل لائف:

(۱) فٹنس (۲) معاشقہ (۳) کیرئیر بنانے کے لیے پڑھائی (۴) اسپورٹس۔

تناسب کیا ہے؟

چوں کہ سوشل میڈیا، پورن اور گیمنگ وغیرہ ایک لت اور عادت ہیں؛ اس لیے انسان جبراً پڑھائی گئی تعلیم کے علاوہ باقی سارے اوقات انھیں چیزوں میں عموماً صرف کرتا ہے۔ اسے ان چیزوں کی عادت کیوں لگ گئی ہے؟ اس لیے کہ یہ ایپس یوزر سینٹرڈ ڈیزائن (user centerd Design) کا استعمال کرتی ہیں جس میں صارف اور اس کی پسند مرکزی نکتہ ہوتا ہے؛ لہذا یہ ایپلی کیشنز پہلے انسان کی فطرت کا مطالعہ کرتی ہیں پھر ہر فرد کی ضروریات اور پسند پر ریسرچ کرتی ہیں اور پھر ان کے مطابق اس کے ہر جذبے اور خواہش کی تسکین کا سامان اپنے ایپ کے ذریعے فراہم کرنے کی کوشش کرتی ہیں، قطع نظر اس سے کہ وہ خواہشات صحیح ہیں یا غلط۔

آیئے ان جذبات، خواہشات کا تجزیہ کرتے ہوئے ہی دیکھتے ہیں کہ باطل ٹیکنالوجی کو استعمال کرتے ہوئے کون کون سے حربے آزمارہا ہے:

۱...... جذبۂ انعام: (reward): انسان کو فطرتاً انعام کی امید ہوتی ہے اور یہ ایپس اسے انعامات سے نوازتی ہیں۔

۲...... جذبۂ عجلت: (haste): یعنی کم وقت میں وہ ایپ آپ کو اتنا قابل باور کرادیتا ہے، جتنا قابل وہ پچیس تیس سال کی محنت کے بعد ہی بن سکتا تھا...... **و کان الانسان عجولا**۔

کمپنیاں اب اسی عجلت پسندی کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے پروڈکٹس اور کنٹینٹ لانچ کر رہی ہیں، مثلاً پہلے تین گھنٹے کی فلمیں ہوا کرتی تھیں پھر جب نئی جنریشن کے لیے یہ بورنگ ہونے لگا تو ویب سیریز کو لانچ کیا گیا، پھر آدھے گھنٹے کی شارٹ موویز اور اب ایک منٹ اور پندرہ سیکنڈ کی ویڈیوز کا ٹرینڈ چل رہا ہے۔

۳...... جذبۂ جدت: (novelty): انسان کی فطرت ہے کچھ نیا کرنا جو اس کو مختلف موضوعات کی طرف مسلسل منتقل ہونے کی دعوت دیتی ہے اور یہ ایپس اس فطرت کے عین مطابق ہر پندرہ سیکنڈ ایک منٹ کے بعد ایک نیا

مواد دکھاتی ہیں۔

۴......جذبۂ طمانیت و راحت (satisfaction): مذکورہ چیزوں میں ملوث ہوکر انسان وقتی طور پر سکون محسوس کرتا ہے، یہ سوچ کر کہ اتنے کم وقت میں مجھے اتنی ساری معلومات حاصل ہوگئیں یا اتنا سارا انٹرٹینمنٹ ہوگیا۔

۵......جذبۂ سستی وغفلت (procrastination): یہ ساری چیزیں اس کو محض انگلیاں حرکت دینے سے مل جاتی ہیں، اس کو محنت نہیں کرنی پڑتی تو اس کے جذبۂ سستی کو بھی تسکین مل رہی ہوتی ہے۔

۶......جذبۂ ندرت (Marvel&Wonder): عجیب چیزوں کے دیکھنے کا شوق اس کی فطرت میں ہے اور بیٹھے بٹھائے ان ایپس سے دنیا کا ہر عجوبہ دیکھنے کو مل رہا ہے تو کیوں نہ دیکھے، اب تو ابنارملیٹی بھی نارمل بن چکا ہے۔

۷......جذبہ تعریف ومنقبت (complement&admiration): جو تعریف اسے رئیل زندگی میں نہیں ملتی وہ وہاں مل رہی ہوتی ہے، مثلا ادھر آپ نے فوٹو ڈالی کہ ادھر لائکس اور دل کے ریکٹ مل رہے ہوتے ہیں اور کمینٹ میں ماشاءاللہ، سبحان اللہ سے نوازا جارہا ہوتا ہے، اور انسان کو اپنی تعریف کروانا پسند ہے۔

۸......جذبۂ مصنوئی زینت (complexbeauty): انسان کی فطرت میں ہے خود کو حسین اور خوبصورت دکھانا، اب یہ ایپس بنا پیسے خرچ کیے آپ کو خوبصورت دکھنے کا موقع فراہم کر رہے ہیں تو کیوں نہ جوان ایسے ایپس استعمال کریں۔

۹......رنگت وصورت میں دلچسپی (visualisation&colour): کتابیں بلیک اینڈ وائٹ میں ہوتی ہیں اور ویڈیوز کلرفل، اور حضرتِ انسان رنگ اور کلر کا رسیا ہوتا ہے اسی طرح صورت کی طرف انسان کی توجہ جلدی مبذول ہوتی ہے بمقابلہ حروف کے اور یہ ایپس رنگینی ہائے عالم اور فطرت کی بوقلمونیوں سے ہمیں متعارف کرواتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج کے جدید تعلیمی ادارے کلر اور تصویر کو اپنے سلیبس کا لازمی حصہ بنا رہے ہیں۔

۱۰......جذبۂ سیر وسفر (expedition&traveling): انسانوں کی اکثریت گھومنے اور دنیا کے عجائبات فطرت کے نظاروں کو دیکھنے کی شوقین ہوتی ہے: لیکن جب انسان دیکھتا ہے کہ میں جسمانی طور پر اتنے مقامات نہیں گھوم سکتا تو ویڈیو ہی کیوں نہ دیکھ لی جائے اور یہ ایپس وہ سہولتیں فراہم کر رہی ہوتی ہیں۔

۱۱...... جذبۂ برتری وفوقیت (complexsuperiority): ہر انسان کو بڑا بننے کا شوق ہوتا ہے؟ لیکن وہ محنت نہیں کرنا چاہتا اور رئیل زندگی میں وہ کتنا ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو کوئی اس کو پوچھتا بھی نہ ہو مگر فالوورز کی بڑھتی ہوئی تعداد اسے احساس برتری عطا کر رہی ہوتی ہے۔

۱۲۔......جذبۂ تفریح (entertainment): آدمی کی دلچسپی کا ہر سامان وہاں موجود ہوتا ہے چاہے کسی گھٹیا

چیز سے بھی دل ہی کیوں نہ ہو۔

۱۳...... پیسے کمانے کی حرص (wealthofgreed): یہ ایپس آپ کو انٹرٹینمنٹ کرتے ہوئے بھی پیسے کمانے کی ضمانت دیتی ہیں جس کی بنا پر آدمی گھنٹوں اس پر محنت کرتا ہے؛ حالاں کہ اگر وہ رئیل ورلڈ میں اتنی محنت کسی اور شے پر کرے تو اس سے کہیں زیادہ کما سکتا تھا؛ مگر اس کے دماغ کی وائرنگ ایسے کی جاتی ہے کہ تم محنت تھوڑی کر رہے ہو بس مستی اور انٹرٹینمنٹ کر رہے ہو اور مستی کے بھی پیسے مل رہے ہیں۔

۱۴...... جذبۂ عدم تنقید (criticism): انسان کی فطرت ہے کہ وہ چاہتا ہے کوئی اس پر تنقید نہ کرے اور وہاں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہوتا وہ اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے۔

۱۵...... جذبۂ عدم بدنامی و ذلت (degradation & humiliation): انسان برے کاموں سے اس لیے بھی رکتا ہے: تاکہ اس کی ذلت نہ ہو اور یہ ایپس آپ کو یہ موقع فراہم کرتی ہیں کہ آپ جتنی مرضی چاہیں غلط کام کریں کوئی آپ کو ذلیل کرنے والا نہیں ہوگا؛ کیوں کہ آپ نے نام بدلا ہوا یا چھپایا ہوا ہے کوئی آپ کو جانتا ہی نہیں ہے کہ ذلت کی نوبت آئے۔

۲۱...... جذبۂ شہرت اور جذبۂ رجائیت (pessimismandpublicity) کسی دور دراز دیہات میں واقع ایک ٹوٹے پھوٹے گھر میں بیٹھا شخص ایک ویڈیو بناتا ہے، اور یہ ایپ اس کو یہ امید دلاتا ہے کہ اگر ویڈیو وائرل ہوئی تو بہت سارے لوگ لائک کمینٹ کریں گے اور وہ مشہور ہو جائے گا تو بنا کچھ خرچ کیے گھر بیٹھے کون ایسی شہرت نہیں چاہے گا؟

۱۷...... جذبۂ طلب التفات (attentiondrawing): اسے دوسروں کی توجہ پسند ہوتی ہے اور سوشل میڈیا اسے لوگوں کی توجہ فراہم کر کے دیتا ہے۔

۱۸...... جذبۂ شہوت (vulgarity): انٹرٹینمنٹ کے جلو میں ننگے پن کو غیر محسوس طور پر عام کیا جا رہا ہے اور انسان شہوت کا جھوکا ہوتا ہے۔

۱۹...... جذبۂ جستجو (exploration & curiosity): انسان کی کھوجی فطرت جو بھی سرچ کرتی ہے وہ اسے آسانی سے اس ایپ پر دستیاب ہوتا ہے؛ اس لیے بھی آدمی یہ ایپس استعمال کرتا ہے۔

۲۰...... جذبۂ تخلیقیت (creativity): اس کو محسوس ہوتا ہے کہ میں دنیا کو مواد دے رہا ہوں اسی لیے یہ فضول کے ایپس بھی اپنے بہترین ٹاپ یوزرز کو کنٹینٹ کریئیٹر (مواد کا تخلیق کار) کے ایوارڈ سے نوازتے ہیں، بے نا مزے کی بات اور تخلیقیت بھی کیسی؟ لپ سنکنگ جس میں آدمی الفاظ کے مطابق ہونٹ ہلانے اور ایکسپریشن دینے کے

علاوہ اور کچھ نہیں کرتا۔

۲۱......ماحول سے متاثر ہونا(Adopting from surroundings)انسان اپنے ماحول کا پروردہ ہوتا ہے تو وہ جو چیز اپنے اردگرد دیکھتا ہے وہی کرنا شروع کر دیتا ہے تو کمپنیاں صرف صارف کی پسند کا خیال نہیں رکھ رہی ہوتیں؛ بلکہ کچھ ایجنڈوں کے ساتھ وہ ایڈورٹائزنگ وغیرہ کے ذریعے ہمارے خواہشات کو کنٹرول بھی کر رہی ہوتی ہیں، پھر جب انسان اس برائی کو معاشرے میں عام دیکھتا ہے تو خود بھی اس میں ملوث ہو جاتا ہے۔

۲۲......عدم مقصدیت(Lack of objectivit): چوں کہ اس کی زندگی کا کوئی خاص مقصد ہے نہیں، اسی لیے وہ اپنی زندگی بس انٹرٹینمنٹ اور تفریح کے حوالے کر دیتا ہے۔کل ملا کر ان ایپس کے ایڈکشن کی وجہ ہے ہر قسم کی ویڈیوز مثلاً انٹرٹینمنٹ ،معلوماتی،جذباتی،شہوانی،اخلاقی اور جمالیاتی ویڈیوز کا ایک ہی جگہ سمٹ کرآجانا،اسی طرح یہ ایپس لپ سنکنگ کے ذریعے اپنے جذبات کے اظہار اور ایکٹنگ کے ذریعے اپنے ٹیلینٹ کے مظاہرہ کا موقع بھی فراہم کر رہی ہوتی ہیں۔

۲۳......مشن(mission):پب جی اور فری فائر گیم میں مذکورہ وجوہات کے ساتھ ساتھ اس کو ایک مشن بھی دیا جاتا ہے اور انسان کی فطرت ہے مقصدیت، وہ بغیر مقصد اور مشن کے زیادہ دن خوشی خوشی نہیں گزار سکتا خواہ وہ فیک اور غلط ہی کیوں نہ ہو،اب پب جی اور فری فائر ان کو وہ مقصد اور مشن فراہم کر رہا ہے۔

۲۴......جذبۂ تقابل(Competition & Comparison) ہم ایک Curated Life جینے لگے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی زندگیوں کی سب سے بہترین چیزوں اور لائف اسٹائل کو لے کر خواہ وہ مصنوعی اور فیک کیوں نہ ہو اپنی زندگی کی سب سے بدترین چیزوں سے موازنہ کر رہے ہوتے ہیں،اور وہ لوگ پھر اپنے لیے اس شخص کو آئیڈیل بنا لیتے ہیں مطلب ان کی زندگی کی کمیاں اور ہماری زندگی کی خوبیاں ہماری نظروں سے اوجھل ہوتی ہیں،جس کا نتیجہ عموماً ڈپریشن اور مایوسی کی صورت میں باہر آتا ہے۔

۲۵......باطل نے ہر لفظ کا مفہوم بدل کر رکھ دیا ہے

(Change the culture by changing norms or meaning of norms یہ باطل کا سب سے بڑا حربہ ہے کہ وہ یا تو کسی برائی کو اچھے نام سے تبدیل کر دیتے ہیں مثلاً ایک لفظ ہے رنڈی دوسرا لفظ ہے طوائف،تیسرا ہے ویشیا،چوتھا لفظ ہے پروسٹیٹیوٹ(prostitute)اور پانچواں لفظ ہے اسکورٹ escorts اور پانچوں کے معنی ایک ہی ہیں،لیکن ہر لفظ سے پیدا ہونے والی قباحت کو اپنے ذہنوں میں لائیے آسمان زمین کا فرق نظر آئے گا،اسی طرح لفظ وہی ہے مگر اس کے مفہوم کو بدل دیا جاتا ہے جیسے اسلام کو انفرادی حیثیت میں محدود

کر دینا، ڈانس کو کلچر کا حصہ بنانا، انٹر ٹینمنٹ میں فحاشی کا مفہوم شامل کر دینا وغیرہ وغیرہ، اور اس کام کے لیے انہوں نے ٹیکنالوجی کا بہت موثر استعمال کیا ہے، اس کے کیا مضر اثرات ہو رہے ہیں؟:

(۱) عدم ارتکاز: اتنی ساری مشغولیات اس کی زندگی میں ہیں کہ وہ کسی ایک چیز پر چاہ کر بھی فوکس نہیں کر سکتا۔

(۲) جہل میں اضافہ: آج کم وقت میں ہم کو ڈھیر ساری معلومات حاصل ہو رہی ہوتی ہیں جو ہمیں بہت زیادہ معلوماتی آدمی تو بناتی ہیں مگر ان معلومات کی پروسیسنگ اور تجزیے کا وقت ہی نہیں ملتا جو کہ علم کی بنیاد ہے تو ہم معلومات فراہم کر رہے ہیں مگر علم والے نہیں بن پا رہے ہیں۔

(۳) جہل مرکب: وہ یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میرے پاس جتنی معلومات ہیں اتنی کسی اور کے پاس نہیں ہیں، لہذا میں سب سے بڑا عالم ہوں مجھے سب کچھ آتا ہے؛ حالاں کہ اس کی حیثیت گدھے پر لدے کتابوں سے زیادہ کچھ نہیں، اسی لیے میں اس انفارمیشن کو انفارمیشن نیوکلیئر بم کہتا ہوں جس نے انسان کے ذہن کو تباہ و معطل کر کے رکھ دیا ہے۔

فرینکلن یونیورسٹی شکاگو کی رپورٹ کے مطابق اب انسان کی تمام توجہ کا عرصہ گھٹ کر صرف آٹھ سیکنڈ رہ گیا ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ ہے انفارمیشن اور معلومات کی بھرمار۔

(۴) ڈپریشن اور مایوسی: پھر اس نے اپنی مصنوعی زندگی میں ملنے والی گالیوں، غلط رویوں اور چھوٹے چھوٹے واقعات اور پریشانیوں کو اپنے اوپر سوار کر لیا اور یوں وہ ڈپریشن کا شکار ہو گیا۔

(۵) سیلفش: اس کو اپنے خیالات و مشغولیات اور انٹرٹینمنٹ سے اتنی فرصت ہی نہیں ہے کہ وہ کسی اور کے بارے میں سوچے۔

(۶) بدزبانی: مصنوعی دنیا کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں کوئی دیکھ ریکھ کرنے والا تنبیہ کرنے والا روکنے ٹوکنے والا نہیں ہوتا، پھر وہاں ایک شریف انسان بھی وحشی بھیڑیا بن جاتا ہے، غلاظت انڈیلتا ہے حقیقی دنیا میں جو نہیں کر پاتا وہ وہاں کرنے کی کوشش کرتا ہے، ماں بہن کی گالیاں نکالتا ہے، اپنے مخالف کو ریپ کی دھمکیاں دیتا ہے۔

(۷) تشدد: واٹس ایپ، فیسبک، ٹویٹر وغیرہ کے ذریعے نفرت بھرے مواد اور ویڈیوز دکھا کر کے فرقہ پرست انتہا پسند طاقتیں اس کے اندر تشدد کو جنم دے رہی ہوتی ہیں اور ہمیں پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ہمارا اتنا اچھا ہنسنے کھیلنے والا بھائی یا بیٹا اتنا زہرناک ہو چکا ہے اسی طرح پب جی گیم میں گولی مارنے کی عادت خود انسان کو حقیقی زندگی میں غیر محسوس طور پر متشدد بنا رہی ہوتی ہے۔

(۸) منشیات کا عادی بننا: انسان جب اپنے ذہن میں بنائے ہوئے کامیابی کے معیار پر اترتے ہوئے لوگوں کو نشہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ خود بھی ان کی اقتدا میں نشے کا عادی بن جاتا ہے۔

(۹) خیر وشر کا خلط ملط ہوجانا: اب خیرِ محض کا تصور مٹنے لگا ہے، چاہے ہم خیر کی نیت سے ہی کیوں نہ ٹیکنالوجی کا استعمال کررہے ہوں ہمیں خواہی نہ خواہی شر کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ٹیکنالوجی اسی الگورتھم (algorithm) پر کام کررہی ہے۔

(۱۰) احساس کمتری: (inferioritycomplex) وہ چاہتا ہے تعریف اور توجہ، مگر یہ بسا اوقات نہیں مل پاتی نیز تقابل میں ہمیشہ اپنے اوپر والوں کو سامنے رکھنا اسے احساس کمتری میں مبتلا کردیتا ہے کیوں کہ اس کی نگاہ میں یہ حدیث نہیں ہوتی:

انظروا الی من هو اسفل منکم، ولا تنظروا الی من هو فوقکم، فهو اجدر ان لا تزدردوا نعمة الله علیکم

(۱۱) تنہائی: چوں کہ سوشل میڈیا ایک مصنوعی دنیا ہے جس میں بظاہر تو لگتا ہے کہ وہ بہت سے دوستوں سے جڑا ہوا ہے، مگر وہ بس عارضی ہوتا ہے، اور انسان جسمانی قرب کا محتاج ہوتا ہے تو یہ فکر اس کو اندر سے کھائے جاتی ہے کہ جب حقیقتاً ضرورت پڑے گی تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہوگا مجھے، اور عموماً یہی ہوتا بھی ہے۔

(۱۲) عدم توازن: اس اسکرین لائف کی وجہ سے اس کی زندگی کے ہر حصے سے توازن ختم ہوگیا مثلاً موبائل میں مشغولیت کی بنا پر اس نے بیوی بچوں والدین کو کم وقت دینا شروع کیا اور یوں فیملی سسٹم تباہ ہوکر رہ گیا۔

(۱۳) خودکشی: اور اسی عدم توازن، ڈپریشن، اور احساس کمتری وغیرہ جیسی وجوہات کی بنا پر ڈبلیو ایچ او (WHO) کے مطابق 1999 سے 2015 تک خودکشی کی شرح میں 33 فی صد کا اضافہ ہوگیا ہے اور ہر سال سات لاکھ لوگ خودکشی کررہے ہیں اور خودکشی کی کوشش کرنے والوں اور سوچنے والوں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔

(۱۴) پرائیویسی خطرے میں: ہم یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم جو کررہے ہیں وہ کوئی نہیں دیکھ رہا مگر انٹرنیٹ پر کی گئی ہر چیز کا ڈیٹا محفوظ رہتا ہے اور ہماری پرائیویسی بس نام کی پرائیویسی رہ گئی ہے۔

(۱۵) بلیک میلنگ: مجھے غالب گمان ہے اس بات کا کہ جتنے بھی بڑے ایکٹوسٹ اور قائد قسم کے لوگ ہیں جب یہ ان حکومتوں اور کمپنیوں کے لیے دردسر بن جاتے ہوں گے تو یہ انہیں ڈیٹا (مثلاً غلطی سے فحش مواد دیکھنا، پرسنل معلومات وغیرہ وغیرہ) کے ذریعے سے ان کو بلیک میل کرکے خاموش کرنے کی کوشش کرتے ہوں گے، اور اسی وجہ سے اس وقت دنیا کی سب سے ابھرتی ہوئی سونے سے بھی زیادہ قیمتی شے ڈیٹا انڈسٹری ہے جس کا مارکیٹ سائز 2022 میں 274 بلین ڈالر تک ہوجائے گا۔

خلاصہ یہ کہ اس ٹیکنالوجی نے پہلے انٹرٹینمنٹ کا معنی ومفہوم ہماری نظروں میں تبدیل کیا اور اسے جسمانی حرکت

سے جسمانی جمود میں شفٹ کیا پھر ''ان النفس لأمارة بالسوء ''میں جو نفس ہے اس کی نفسیات کا مطالعہ کر کے ایڈکشن اور لت لگانے کے طریقوں کو اپلائی کرتے ہوئے انٹرٹینمنٹ اور اسکرین کا تناسب ہماری زندگیوں میں غیر معمولی حد تک بڑھا دیا، اور پھر خیر و شر کو خلط ملط کر دیا، اور یوں ہمارا نوجوان یعنی مابعدِ جدیدیت والی نسل ذہنی تعلیمی، تفریحی، اخلاقی غرض ہر سطح پر ڈسرپشن disruption، کشمش اور انتشار کا شکار ہے اور اب یہ ٹیکنالوجی میٹا ورس (Meata Verse) کے ذریعے اپنے عروج و انتہا کو پہنچنے والی ہے۔

مضر اثرات سے اپنے نوجوانوں کو کیسے بچایا جائے؟

۱۔انہوں نے گناہ کرنے کو آسان بنایا ہے ہمیں اسے مشکل بنانا ہے۔

۲۔تعلیم کو انٹرٹینمنٹ کی شکل میں پیش کرنا ہے۔

۳۔اس کی خوشی کے مفہوم کو پھر سے تبدیل کرنا ہے۔

۴۔ہمیں اپنے نوجوانوں کو مقصد اور مشن دینا ہے۔

۵۔اس کے آئیڈیل اور ہیرو کو بدلنا ہے: انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کسی نہ کسی کو اپنا ہیرو بناتا ہے اور سب سے بڑا ہیرو وہ ہوتا جس نے سب سے بڑی پریشانیوں کو سامنا کر کے اس کو مات دی ہو تو ہمیں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ اور تجزیہ کر کے ان کو بطور ہیرو پیش کرنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کتنی مشکلات تھیں اور انہوں نے کیسے ان سب سے ڈیل کیا۔

۶۔مظاہر تبدیل کیے جائیں کیوں کہ مظاہر بواطن یعنی دل و دماغ کو بدلنے کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔

۷۔ان کو رئیل لائف میں اتنا مشغول کیا جائے کہ رئیل لائف کے صحیح استعمال کے علاوہ غلط استعمال کا اس کو موقع ہی نہ ملے، کیوں کہ یاد رکھیں جب تک اسکرین پر ہے، وہ ہمارے کنٹرول میں نہیں ہے۔

۸۔کل ملا کر ہمیں بھی نفس کی انھیں نفسیات کا مطالعہ کر کے ان فطری خواہشات کو خیر کی طرف موڑنا ہے۔

دعا فرمائیں کہ رب کریم اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور لوگوں کے دلوں کو امت محمدیہ کی ترقی کے لیے مسخر فرمادے۔ آمین!

☆......☆......☆

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

☆تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے بھجوانا ضروری ہے

☆کتابیں مرکزی دفتر وفاق کے پتے پر ارسال کیجیے

اپنی اولاد کو محبت اہل بیت کی تعلیم دیجیے

تصنیف: ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی۔ترجمہ: مولانا قیام الدین حسینی۔صفحات: 336۔طباعت: عمدہ۔

قیمت: 750 روپے۔ ملنے کا پتا: دارالکتاب اردو بازار لاہور۔ رابطہ نمبر: 042-37241268

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہر فرد اور ہر شے سے محبت بھی تکمیل ایمان کے لیے لازمی ہے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے، آپ کے صحابہ سے، آپ کے افعال واعمال سے، آپ کی شباہت سے بھی محبت ضروری ہے۔

اہل بیت کرام کا معاملہ مختلف اس معنیٰ میں ہے کہ سب سے قریبی رشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے اہل بیت کا ہے۔اہل بیت سے مراد آپ کی ازواج مطہرات اور اولاد ہیں۔جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت کی جاتی ہے اسی طرح آپ کے اہل بیت سے محبت بھی ضروری ہے۔اہل بیت نبوت اہل ایمان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں اور دلوں کا سکون ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ممتاز عرب عالم ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف ہے۔ڈاکٹر محمد عبدہ یمانیؒ سعودی عرب کی عالم فاضل شخصیت تھے۔آپ متعدد حکومتی عہدوں پر بھی رہے۔آپ کی ۳۵ کے قریب تصنیفات ہیں، جن میں سے کچھ انگلش میں ہیں۔انہی میں سے ایک کتاب ’’**علموا اولادکم محبة آل بيت النبي**‘‘ ہے؛ جس کا رواں اردو ترجمہ مولانا قاری قیام الدین حسینی مدظلہم نے کیا ہے۔ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی نسباً سادات میں سے ہیں، انہوں نے مکہ مکرمہ کے پاکیزہ ماحول میں پرورش پائی، اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تحصیل علم کی۔یہ کتاب جس کا ترجمہ پیش نظر ہے عربی اسلوب میں فصاحت وبلاغت اور سلاست کا شاندار نمونہ ہے۔اس کتاب میں ازواج مطہرات، فرزندان گرامی ، بنات طاہرات ، حضرات حسنین کریمین کے فضائل وخصائص، تعارف وتذکرے کے ساتھ ساتھ اہل بیت نبوت کے حقوق، ان کے نسب، شرف وکرامت اور امت میں ان کے روحانی مقام کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔کتاب اس اعتبار سے منفرد ہے کہ مصنف نے روافض کی طرح اہل بیت کی اصطلاح کو صرف حضرت علی، سیدہ فاطمہ، حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کے لیے مخصوص نہیں کیا بلکہ نص قطعی کے مطابق ازواج مطہرات کے اہل بیت ہونے پر صاف صاف روشنی ڈالی ہے۔آج کے دور میں اہل بیت کرام کے متعلق بہت سے لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں، اس لیے اس طرح کی معتدل اسلوب کی حامل کتابوں کی

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

ضرورت ہے۔کتاب ’’اپنی اولاد کو محبت اہل بیت کی تعلیم دیجیے‘‘اس قابل ہے کہ اسے ہر گھر میں پڑھا جائے ،بچوں میں اسے سنایا جائے۔آغاز میں حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد،مولانا اللہ وسایا،مولانا مفتی محمد حسن ،مولانا نعیم الدین کی تقریظات شامل ہیں۔

خطبات

شیخ الحدیث مولانا امیر حمزہ شہید۔ضبط وترتیب: مولانا مفتی عادل حمزہ۔صفحات:245 طباعت: مناسب۔

ملنے کا پتا:حمزہ اکیڈمی نوشہرہ۔رابطہ نمبر:03348932522۔

زیر نظر کتاب جامعہ تقوی نوشہرہ کینٹ کے بانی مولانا امیر حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کا مجموعہ ہے۔اس میں مندرجہ ذیل عنوانات پر خطبات شامل ہیں:موت ،زبان کی حفاظت،حقوق الوالدین ،تکبر وغصہ کی مذمت ،میاں بیوی کے حقوق ،زکوۃ،کسب حلال ،رمضان ،فضائل توبہ،اپنے معاملات صاف رکھیں،فضائل نکاح،علم اور علماء کی شان محبت نبوی،اخلاق کا بیان،توبہ کا فلسفہ،ہمسایہ کے حقوق،عدل وانصاف وغیرہ۔یہ کتاب تین جلدوں میں ہے، ہمارے پاس تبصرے کے لیے صرف دوسری جلد آئی ہے۔مقررین،خطباء اور واعظین اپنے خطبات کی تیاری کے لیے اس کتاب اس کتاب سے مدد لے سکتے ہیں۔

کمالات فضلیہ وفیوضات مرتضویہ

تالیف: مولانا محمد شفیع ۔صفحات:279۔طباعت: مناسب۔ملنے کا پتا:مرکزی جامع مسجد چوک کالی پل کوٹ ادو۔

حضرت مولانا محمد شفیع دامت برکاتہ جید عالم اور صاحب نسبت بزرگ ہیں۔انہوں نے سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ حضرت مولانا فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ،حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ،حضرت مولانا میاں عبدالہادی دین پوری رحمۃ اللہ علیہ،حضرت مولانا علی مرتضی رحمۃ اللہ علیہ سمیت کئی دیگر اکابر ومشائخ کے احوال ومقامات اور حکایات کو جمع کیا ہے۔یہ تمام اکابر متبع سنت ،عابد وزاہد،اور شریعت اسلامیہ کے سچے پاس دار تھے۔ تزکیہ وسلوک اور میدان معرفت کے ان شہسواروں کے تذکرے پڑھنے والوں میں خاص ایمانی کیفیت طاری کرتے ہیں،اور سلوک واحسان میں ترقی کا باعث بنتے ہیں۔زیر تبصرہ کتاب اس لحاظ سے کافی مفید ہے۔

☆☆☆